محرفِ قرآن

سر سید اپنی تحریراتِ فاسدہ اور
عقائدِ کاسدہ کے آئینہ میں،

رشحاتِ قلم

احقر الورٰی
سید تصدق بخاری
تجاوز عن سیاتہ الباری

ملنے کا پتہ
۲۳-سی وائی بلاک
پیپلز کالونی گوجرانوالہ
کوڈ نمبر ۵۲۲۶۰

۱

محتویات الکتاب

محرف قرآن

سر سید اپنی تحریرات فاسدہ اور عقائد کاسدہ کے آئینہ میں

سر سیدؒ کی تحریرات کی جولان گاہ

سر سیدؒ نے تحریف القرآن کے لیے ایک ہزار ایک سو گیارہ صفحات سیاہ کئے ہیں جن کی تفصیل بقرار زیر ہے تفسیر القرآن کی۔

جلد	۱	۲۴۶	صفحات
جلد	۲	۱۶۸	//
جلد	۳	۲۲۸	//
جلد	۴	۱۵۰	//
جلد	۵	۱۵۲	//
جلد	۶	۱۴۷	//

تحریر فی اصول التفسیر ———— ۲۰ ۔ صفحات

ساتویں جلد آپکی رحلت کے بعد علی گڑھ بک ڈپو نے شائع کی تھی۔ کما سیاتی۔ اسکے بعد آپکی یہ کتاب تو آگے نہ چل سکی لیکن آپکی ذریت آٹے میں نمک کی حیثیت سے شخصؒ بعد شخص کی شکل میں چلی آرہی ہے۔ چھٹی جلد پوری کی پوری معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید وانکار پر مشتمل ہے۔ سیرت احمدیہ اور تہذیب الاخلاق وغیرھما بھی دین حنیف کی تحریف وتغیر ہی کا ایک شاخسانہ ہے۔ سیرت احمدیہ، جسے خطبات احمدیہ اور سیرت محمدیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل سر سید کے وہ بارہ خطبات ہیں جو اس نے لندن میں بیٹھ کر لکھے تھے۔ جو درحقیقت سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوہ گراں اور اٹل واقعات کی تردید میں لکھے گئے ہیں۔ گیارھواں خطبہ شق صدر اور معراج النبیؐ کی تردید میں ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو

سر سید کی یہ گستاخانہ اور منکرانہ تحریرات کب سے ضبط ہو چکی ہوتیں. لیکن کتنی دل خراش اور ایمان سوز بات ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت والے ملک میں یہ محرفانہ تحریرات دھڑا دھڑ شائع ہو رہی ہیں اور اسلامی حقائق و دقائق سے ناواقف زمرہ کے افراد کے دلوں میں علمائے کرام اور مذہب اسلام سے نفرت پیدا ہو کر اسلام کے خلاف ایک نیا فرقہ بنتا چلا جا رہا ہے. مقبول اکیڈمی انارکلی لاہور نے ان خطبات کا ابھی تازہ ایڈیشن شائع کیا ہے۔ علمائے کرام اور ارباب بست و کشاد کا فرض ہے کہ وہ اس طرف بھی ذرا توجہ مبذول فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

یہ کہہ کر مسلمانوں کو دھوکا دیا گیا ہے کہ یہ خطبات سر میور گستاخ کے کافرانہ نظریات لائف آف محمد کے رد میں لکھے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گستاخِ رسول ہونے میں سر سید میور سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں۔

جنّات کی تخلیق کی معلومات کے لیے حضرت علامہ قاضی بدرالدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ شبلی حنفی رحمہ اللہ توفی ۷۶۹ھ کی کتاب۔ آکام المرجان فی غرائب الاخبار والاحکام قابلِ دید ہے۔

محرف قرآن

سرسید اپنی تحریرات فاسدہ
اور عقائد کاسدہ کے آئینہ میں

قرآن و حدیث کا تحفظ ہر
مسلمان پر فرض ہے

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو قرآن و حدیث
کو اپنی عقل کے تابع کرنے کی فکر کرنے
کی بجائے

قرآن و حدیث کے فرامین کی روشنی میں
اپنے عقائد و نظریات کی اصلاح
کی فکر کرتے ہیں

رشحات قلم احقر الوریٰ

سید تصدق بخاری
تجاوز عنہ سیاتہ الباری

محرف قرآن

سرسید اینڈ تحریرات فاسدہ
اور
عقائد کاسدہ کے آئینہ میں

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ

۲۔ مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ

۳۔ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

۴۔ ادارۃ العلم والتحقیق۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ سرحد۔

۵۔ اسلامی کتب خانہ عقب جامعۃ العلوم الاسلامیہ۔ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

۶۔ کتب خانہ حافظ متصل جامع مسجد کوئٹہ

۷۔ ہیڈ آفس ۲۳۔ سی۔ وائی بلاک پیپلز کالونی گوجرانوالہ

۸۔ مدنیہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ۔

۹۔ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی۔

سرسیّد کا اعجازی تعارف

سرسیّد احمد خان کے آباؤ اجداد کشمیر کے سکان وباشندگان تھے۔ شاہ عالم ثانی ولد ۱۱۷۳ھ موافق ۱۷۵۹ء جو ۴۵ برس دہلی کے تخت پر براجمان رہا اور اٹھارہ برس نابینا رہ کر ۱۸۰۶ء میں راہی ملک بقا ہوا۔ اسکے دور میں ریاست جموں وکشمیر میں جب قحط سالی کا دور دورہ تھا اور دہلی میں جو علمار وفضلار کلیدی مناصب اور آسامیوں پر فائز تھے وہ اس سربراہ ہند سے اختلافات کی بنار پر اپنے اپنے عہدوں سے الگ ہو گئے تھے اور کشمیر میں تین خاندان، سید ۔میر ۔خان جو صفِ اوّل کے وہاں کے شہری تھے۔ انہوں نے دھلی میں کلیدی آسامیوں کی کرسیاں خالی دیکھ کر اپنی زادِ بوم کو خیر باد کہہ کر دہلی کا رخ کیا

اور پھر دہلی ہی کے ہو کر رہ گئے۔ ان میں سرسیّد کا خاندان بھی تھا۔ یہاں آکر یہ بڑے بڑے عہدوں اور ملازمتوں سے سرفراز ہوئے اور دہلی میں ورود کے بعد سرسیّد احمد خان ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۳ھ موافق ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو سیّد متقی بن سیّد ہادی توفی سنہ ھ موافق ۱۸۲۸ھ کے گھر دہلی میں پیدا ہوئے۔

اور سنہ ۱۳۱۵ھ موافق ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء میں انتقال مکانی کر کے سوتے

آخرت چلے گئے۔

سر سید ملقب بہ خان بہادر نے جب سِن بلوغت کی سرحد پار کر کے عالم شباب کی وادی میں قدم رکھا تو عام ابتدائی مروجہ علوم [1] میں کچھ شُد بُد حاصل کر چکے تھے اور پھر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے پوتے مولانا مخصوص اللہ رحمہ اللہ سے کچھ ابتدائی مذہبی علوم کی تحصیل کی پھر سریانی و عبرانی زبانوں کی طرف مراجعت کی تو ان کی آبا تا سے کچھ آشنائی کر کے پادریوں سے میدان مناظرہ میں زور آمائی کی لیکن ناکامی کے بعد۔ تبیین الکلام کتاب لکھ کر مسلمانوں اور عیسائیوں کو متحد و متفق کرنا چاہا مگر کامیابی کا منہ دیکھنا جب نصیب نہ ہوا تو پھر پیری مریدی کا سلسلہ شروع کیا لیکن اس میدان میں جن اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے ان کے فقدان نے کامیاب نہ ہونے دیا۔ سید نے کچھ اسباق مولانا مملوک علی رح سے بھی پڑھے ہیں۔ پھر محکمہ مال کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور ملازمت کے کچھ مراحل طے کرنے کے بعد مختاری کا امتحان پاس کر کے ۱۸۵۷ء تک منصف کے عہدہ سے سرفراز ہو چکے تھے۔ پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں منصفی کی آڑ میں انگریزوں کی خوب دل کھول کر مدد کی انکو آپ نے اپنے گھر اور اپنے اعوان و انصار کے گھروں میں پناہیں دے دے کر سفید فاموں کو محفوظ مقامات پر پہنچانے میں خوب شہرت حاصل کی۔ عین ممکن تھا کہ اگر سر سیدؒ اور انکے اعوان و انصار انگریزوں کی مدد نہ کرتے تو انگریز ۱۸۵۷ء میں ہی ہندوستان چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے واپس چلے جاتے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اتنی مثال کافی ہے کہ ہندوستان میں پاؤں جمانے کے باوجود انگریز افغانستان میں اس لیے داخل نہ ہو سکے کہ انکو وہاں سر سید جیسا کوئی

---

[1] ہند میں سرکاری زبان فارسی تھی۔

معاون و رفیق نہ مل سکا۔ فافھموا وتدبروا وتفکروا۔ اسی تعاون و خدمات کے پیش نظر سفید فام شاطروں نے سید احمد منصف کو سر SIR خان بہادر۔ K.B۔ شاہی مشیر K.C۔ انڈیا کا امن جج S.I۔ قانون کا ڈاکٹر DOCTOR OF LAWS۔L.L.D۔ جیسے گمراہ کن خطابات دیئے اور دو پشتوں تک دو صد روپے پنشن سے بھی سرفراز فرما کر دوسروں کو بھی انگریزوں کے غلامانہ مراتب حاصل کرنے کی دعوت تحریص دی۔ سفید فام شاطروں کی اسی خادعانہ آتش سے جل جھلس کر منصف اکبر حسین الہ آبادی مرحوم ۱۸۴۶ء تو فی ۱۹۲۱ء نے کہا ہے کہ

جب سے ہم میں آنر یبل اور سر پیدا ہوئے
سوتے فتنے جاگ اٹھے اور شر پیدا ہوئے

مرزائیوں کے فرقہ ضالہ کی تاریخ احمدیت میں مرقوم ہے کہ سر سیّد نے مرزا غلام احمد قادیانی قبحہ اللہ ولد ۱۸۳۱ء ۴ فروری تو فی ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء موافق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ کی بڑی معاونت کی ہے۔ اور انکی کتابوں کو بہت سراہا ہے

من شاء فلینظر فیھا۔

متنبی قادیان نے کہا ہے کہ سر سیّد تین باتوں میں مجھ سے متفق ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے بلکہ معمول کے مطابق انکا باپ تھا۔ وہ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے بلکہ انکے درجات کو بلند کرنا مراد ہے۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو روح مع الجسد کے معراج نہیں ہوئی بلکہ ان کی روح کو معراج ہوئی ہے۔

من شاء فلیرجع الیھا

تاریخ کے کوہ گراں اٹل واقعات اس پر گواہ ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی

اور سرسید احمد خان بہادر انگریز شاطروں کے خود ساختہ پودے تھے اور ان سے انہوں نے وہ وہ کام لیے جو وہ بلاد بیضان کی پوری دولت خرچ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے، ان دونوں کو سفید فام خادعین نے یہ خدمت سونپی ہے کہ مذہب اسلام میں اپنی اپنی شطحیات سے شاخسانہ شگاف ڈال کر اہلِ اسلام کو ذہنی اور مذہبی جنگ میں مصروف رکھیں تاکہ وہ بے فکر ہو کر متحدہ ہندوستان کی دولت لوٹنے کے لیے حکومت کرتے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اب مسلمانوں کی طاقت تقسیم ہو کر رہ گئی ہے اب مسلمانوں کو بیک وقت تین محاذوں پر لڑنا پڑا۔ ایک انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کا دل گداز محاذ۔ دوسرا غلام احمد قادیانی کی خانہ ساز نبوت کا دجلی محاذ۔ تیسرا سرسید کی نیچریت و انکار ایمانیات اور تحریف قرآن کا ایمان سوز محاذ۔ سرسید صاحب خود خامہ فرسا ہیں کہ میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن کریم پر غور کی اور چاہا کہ قرآن کو خود ہی سمجھنا چاہیئے۔

تفسیر القرآن ص۲ ج۱

چنانچہ سرسید نے جب اسلامی تعلیمات کی نہج سے اتر کر خود قرآن حکیم پر غور کیا اور اپنے سفید فام آقاؤں کو اپنے جوہر وفاداری دکھلانے کے لیے اسلام کے نام پر اپنے ملحدانہ نظریات کا اینٹ گارا لگا کر ایک جدید متفرنج اسلام کی عمارت تیار کرنا شروع کر دی کہ جس میں نہ ملائکہ کی مخلوق کا وجود ہے اور نہ ہی جنت و دوزخ کی مخلوق کا کہیں نشان ہے اور نہ جنات و ابلیس کی مخلوق کا وجود ہے اور معجزات و کرامات تو مجنونانہ باتیں ہیں۔

سرسید علماء حق اور اہل علم مورخین کی نظر میں

سرسید جنت و دوزخ کے مخلوق و موجود ہونے کے صاف صاف منکر ہیں اور ملائکہ، جنات، شیطان، کی مخلوق و موجود ہونے

کے بھی منکر ہیں۔ سر سید کے اس جحد و انکار اور تمام شطحیات و لغویات کے اگر جوابات دیئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی اس لیے یہ ہیچ میرز و بزہ کار اختصار و ایجاز سے سر سید ہی کی تفسیر القرآن جو حقیقت میں تحریف القرآن ہے، کی اصل عبارات بقید صفحہ و جلد کے پیش کر کے ان کے متعلق پوری امت مسلمہ کے نظریات و اعتقادات اور قرآن کریم اور احادیث قیمہ کے ارشادات قارئین کرام و خوانندگان عظام کی خدمت میں پیش کر رہا ہے تاکہ ہر صاحبِ ایمان اصل حقیقت حال سے آگاہ ہو کر حق و باطل میں فرق و امتیاز کر کے راہِ حق کا خود تعین کر کے خدا کی ناراضگی سے بچ سکے کیونکہ جس طرح اس دنیا میں چند روزہ عادلانہ حکومت کے کسی مخالف و باغی کو اگر کوئی شخص ملک و قوم کا خیر خواہ سمجھ کر اسے مصلح کہہ کر اسکا اعزاز و اکرام کرے اور اسے نجات دہندہ بتاتا پھرے تو وہ عادلانہ حکومت بے کار و غلط کار تصور ہوگی جس سے اس باغی و مخالف پر عادلانہ حکومت کا عتاب ہونا لازمی ہے اور اسکے ہمنوا ساتھی بھی معتوب ہونگے۔ اس طرح اگر کوئی شخص خدائے واحد کے دین حقہ کی صریح احکامات و نظریات اور مسلمہ اصولوں کی دور از کار تاویلات کسیدہ کر کے انکو بدل کر پیش کرے تو وہ خدائے واحد کی لازوال سلطنت و دین حقہ کے مسلمہ قوانین و احکامات کا منحرف و منکر اور خدا کا باغی تصور ہوگا۔ اگر دنیا میں نہیں تو آخرت میں وہ اور اسکے ہمنوا ساتھی خدا تعالیٰ کی تعذیب و تنکیل کے شکنجے میں آکر بڑے ذلیل و خوار ہونگے اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنا سفر زندگی طے کرتے ہوئے خدا کے آخری رسول اکرم صلی اللہ علیہ کے بتلائے ہوئے راستہ کو ہرگز نہ چھوڑے۔ اکثر مستغربین و متفرنج اذہان یوں کہتے ہیں کہ سر سید تو پکے مسلمان اور مصلح تھے۔ مولویوں نے ضد سے ان کی تکفیر کی ہے اس لیے ہزاروں میں سے نمونہ کے طور پر چند اہلِ علم تاریخ دانوں

کی بھی سرسیدؒ کی بابت آراء نقل کی جاتی ہیں، امید ہے کہ آپ سمع قبول اور التفات خاطر سے ان آراء کو پڑھ کر اس کی اکناہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

ریٹائرڈ ڈسٹیلمنٹ کمشنر ڈاکٹر شیخ محمد اکرم مرحوم مغفور فیصل آبادی ولد ۱۹۰۸ء توفی ۱۹۷۱ء ارقام فرماتے ہیں۔

سرسید احمد۔ مولوی چراغ علی۔ سید[1] امیر علی ولد ۶ اپریل ۱۸۴۹ء توفی ۱۹۲۸ء مسلمانوں کے خلاف تھے۔ (موج کوثر ص ۱۷۷۔)

سرسید احمد اور مرزا غلام احمد قادیانی ہم عقیدہ تھے۔
(ملاحظہ ہو، موج کوثر ص ۱۵۹)

مولوی چراغ علی توفی ۱۸۹۵ء سرسید کے ہم عقیدہ تھے۔
(موج کوثر ص ۱۶۶)

سرسید نے معراج و شق صدر کو رؤیا (خواب خیال) کا فعل مانا ہے۔ حساب کتاب۔ میزان۔ جنت و دوزخ کے متعلق تمام قرآنی ارشادات کو بہ طریق استعارہ و تمثیل قرار دیا ہے۔ ابلیس اور ملائکہ سے کوئی خارجی وجود مراد نہیں لیا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہا ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت[2] سے ثابت نہیں ہوتا کہ

---

[1] وائسرائے ہند سر ڈفرن کے ہم زلف تھے یعنی ڈفرن کی سالی سید امیر علی کی بیوی تھی۔

[2] اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر ایک آدمی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ نماز کی رکعتیں قرآن میں سے ثابت نہیں ہیں اس لیے ان رکعتوں کو پڑھنا بے معنی ہے۔ دوسرا یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن میں کتے کی تعریف کی گئی ہے اور اسکا حرام ہونا قرآن سے ثابت نہیں ہے بایں وجہ کتا حلال ہے۔ تیسرا منشیات کی بابت بھی یہی دلیل دے سکتا ہے۔

وہ بن باپ کے پیدا ہوئے یا زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے

(موج کوثر ص ۱۵۹)

خود سر سید کے پیروکار معتقد مولانا الطاف حسین حالیؒ ولد ۱۸۳۷ء توفی ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء خامہ فرسا ہیں کہ۔ سر سید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض مقامات پر ان سے رکیک لغزشیں ہوئی ہیں۔ انظر، حیات جاوید ص ۱۸۴ از علامہ حالیؒ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ۔ سر سید نے جب قرآن حکیم کی تحریف کر کے تفسیر القرآن کے نام سے اپنی شطحیات کو تحریری شکل میں لوگوں کے سامنے رکھا تو جن علماء کرام نے انکے الحاد کی تردید میں قرآن کا اصل منشاء و مدعا پیش کر کے خدا کے کلام کی تحریف کرنے پر اور ساری امت کے خلاف ایک نئے جدید اسلام کی بنیادیں رکھنے پر انکی تکفیر و تفسیق و تجہیل کی تشہیر کی ہے۔ ان میں سے چند کے اسماء گرامی بقرار زیر ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا عبدالحق[۱] حقانی علیہ سحائب الرحمت والرضوان ولد ۱۲۶۷ھ موافق ۱۸۴۹ء توفی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء نے اسکے رد میں فتح المنان، المعروف بہ تفسیر حقانی لکھکر قرآن کریم کی ان تمام آیات بینات کا اصل مقصد و مطلب توضیح کیساتھ بتایا ہے اور تفسیر حقانی کے مقدمہ میں سر سید کی تحریفات و لغویات و ہزلیات کے عقلی اور نقلی مدلل ناقابلِ تردید مسکت و مسقط جوابات دیئے ہیں۔ من شاء فلینظر فیھا۔

۲۔ حضرت مولانا ناصر الدین محمود ابوالنصر روح اللہ روحہ نے۔ تنقیح البیان

---

[۱] آپ ہندوستان کے ضلع انبالہ کے قصبہ گمتھلا میں پیدا ہوئے اور دھلی میں فوت ہوئے۔

میں سرسیدؒ کی شطحیات و ہزلیات کی سخت تنقید و تکفیر کی ہے۔ من شاء فلیرجع الیہا۔

۳۔ حضرت مولانا محمد علی تغمدہ اللہ برحمتہ توفی ۱۳۰۵ھ موافق ۱۸۸۷ء مسکونہ چھرانہ ضلع مراد آباد نے۔ البرھان علی تجہیل من قال بغیر علم فی القرآن۔ میں سرسید کی سخت ترین تردید و تنقید و تجہیل اور تکفیر کی ہے۔ من شاء فینظر فیہا۔

سرسید کی تفسیر القرآن۔ جو درحقیقت تحریف القرآن ہے۔ کی پہلی جلد ۱۲۸۷ھ موافق ۱۸۷۹ء میں علی گڑھ سے شائع ہوئی۔ اس کی کل چھ جلدیں سورۃ اسرا تک ہیں جو تیرہ سو نوھ ۱۳۰۹ھ موافق ۱۸۹۱ء تک ان کی زندگی میں ہی شائع ہوگئیں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ساتویں جلد سورۃ کہف سے سورۃ طٰہٰ[۱] تک علی گڑھ کالج بک ڈپو نے شائع کی تھی۔

اس وقت میرے پاس سورۃ اسرا تک پندرہ پاروں کی چھ جلدیں پہلے ایڈیشن کی موجود ہیں۔ آگے انکے حوالے ہی بقید صفحہ و جلد پیش کئے جائیں گے اگر کسی صاحب کو تشکیک و ریب ہو تو وہ انکا اصل[۱] کے ساتھ تقابل کر سکتا ہے

نیز یہ بات بھی قابل غور و خوض ہے کہ سرسیدؒ نے انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو غلط ثابت کرنے کی خاطر جنگ آزادی کو بغاوت ہند کے نام سے موسوم کر کے ایک کتاب لکھی جو سفید فاموں کو اتنی پسند آئی کہ انگریز کرنل گراہم نے اسکا انگریزی میں ترجمہ کر کے سرسید کو انگریزوں کا وفادار و فرمانبردار ہونے

---

[۱] سرسید کی تحریف القرآن عام تو نہیں ملتی لیکن پنجاب یونیورسٹی اور پنجاب لائبریری جیسی لائبریریوں میں موجود ہوگی وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔ لیکن بنظر امعان۔

کا ثبوت مہیا کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ سید صاحب کو انگریزوں نے جو خوش کن فریب خوردہ خطابات دیتے اور دو پشتوں تک جو پنشن دی یہ سب چیزیں اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ انگریزوں کا وفادار و فرمانبردار تھا۔ اور مذہب و قوم کا دشمن تھا۔ آج تک مسلسل یہ دستور چلا آرہا ہے کہ حکومت تمغے اور وظیفے اسی کو دیتی ہے جو میدانِ کارزار میں حکومت کے دشمن سے اسکی حمایت میں لڑ کر دشمن کو ہرا دے۔

اہالیانِ ہند و پاک اپنے انگریز دشمن سے جنگ آزادی میں ہار گئے کیونکہ سر سیدؒ اور انکے اعوان انصار نے انکے خلاف انگریزوں کی حمایت کی تھی۔ فافہموا و تدبروا۔

۴۔ زُہدی حسن جار اللہ یافی خامہ فرسا ہیں۔ سر سید احمد خان اور انکے رکن رکین سید امیر علی ولد سـ ئہ توفی سـ ئہ معتزلی تھے۔

(تاریخ معتزلہ صہ ۲۱۲)

۵۔ شیعہ مفسر ابو عمار علی رئیس سونی پت توفی ۱۳۰۴ھ موافق اکتوبر ۱۸۸۶ء نے سر سید کے رد میں تفسیر عمدۃ البیان لکھی جس نے بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔

۶۔ علامہ عبد اللہ یوسف علیؒ۔ سر سید کی تفسیر القرآن کی بابت اپنی انگریزی تفسیر میں یوں خامہ گزار ہیں کہ (THE URDU COMMENTRY OF SIR SAYYID AMAD KHAN OF ALI GARH (D-1898) HAS NOT MET THE APPROVAL OF THE (ULAMA) ON THE OTHER HAND-

TEXT. TRANSLATION AND COMMETRY-

ABDULLAH-YOUSIF ALI — رحمہ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

کشفِ حقائق

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ ...... البقرہ ۱۶۵

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی شریک بنائے ہوئے ہیں۔ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے رکھنی چاہیئے۔ اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَاۗدُّوْنَ مَنْ حَاۗدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، آپ انہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اسکے پیغمبر کے مخالف ہیں، خواہ وہ لوگ انکے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے انکے دلوں میں ایمان ثبت کر دیا ہے اور انہیں اپنے فیض سے قوت دی ہے اور

فِيهَاۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلۃ - ۲۲)	انہیں ایسے باغوں میں جا داخل کریگا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے خوش ہونگے اور وہ اللہ سے، یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں خوب سن لو کہ اللہ ہی کی جماعت والے فلاح پانے والے ہیں۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات صاف کردی ہے کہ مومن کامل ومخلص کی ایک علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوست بھی اپنے محبوب حقیقی خالق ومالک کے دوستوں اور مخلصوں ہی کو رکھتا ہے اور اسکے باغیوں اور منکروں کو اپنا بھی دشمن سمجھتا ہے۔ بلفظ تصرف۔ علامہ دریا بادی رحمہ اللہ۔

اس ارشاد نے یہ بات بھی صاف کردی ہے کہ جو صاحبِ ایمان ہے وہ خدا کے نافرمانوں کو کبھی بھی اپنا دوست نہیں بنائے گا۔ اس بات کو ہر وقت اپنے ذہن میں مستحضر رکھنے کے لیے ہر روز وتر کی نماز میں یہ پڑھتے رہنے کا حکم ہے۔ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ط۔ اور ہم اس سے الگ رہتے اور چھوڑتے ہیں۔ اسکو جو تیری نافرمانی کرے۔ یہ بات ذہن نشین کرتے چلیئے کہ جو آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ کہے کہ وہ سچے نبی ہیں لیکن نبی علیہ السلام نے ۲۳ سالوں میں جو دعوتِ فکر اور تعلیم دی ہے اسے یہ کہہ کر یک سر بدل دیکہ یہ سب سے ہی غلط ہے، وہ نافرمان نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت مولانا عبدالحق حقانی علیہ سحائب الرحمت والرضوان خامہ فرسا ہیں کہ۔ سید صاحب قرآن کے معنی متعارف چھوڑ کر برخلاف سلف وخلف کے الگ راہ چلے ہیں۔ اور دل کھول کر اپنے آزادانہ خیالات (کاسدہ) کو دخل دیا ہے مقدمہ تفسیر فتح المنان، المعروف بہ تفسیر حقانی ص ۲۳۔

راقم آثم عرض پرداز ہے کہ سر سید خان بہادر نے ملائکہ، جن، شیطن، جنت۔ دوزخ۔ خارق عادت معجزات کے معنی میں یہاں تک غلوؔ اور تغیر و تبدل کیا ہے کہ سرے سے کلام الٰہی کو الٹ پلٹ کر مذہب اسلام کو معاذاللہ پہیلیوں کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

سر سید صاحب نے بھی خدا کے کلام قرآن حکیم کے ساتھ علامہ عبدالحق ؒ کے ارشاد کے مطابق وہی سلوک کیا ہے جو ایک شاطر فقیر نے صفت ایمان کے کلمات کے ساتھ کیا تھا۔ علامہ موصوف ارقام فرماتے ہیں۔ ایک مداری فقیر نے میرے روبرو ایک روز۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ کے یہ معنی کئے کہ، بی بی اٰمَنْتُ کا ایک بِلّا تھا وہ اس کی ملائی کھا گیا، اس نے اسکو کتوں سے پھڑوا دیا اور رسیوں سے باندھ دیا۔ العیاذ باللہ۔ اسی طرح راقم احقر نے بچپنے میں اپنے ہم عمر ایک عزیز سے جو پڑھنے کا نام بھی نہ لیتے تھے، پوچھا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کا معنی کیا ہے؟ انہوں نے فوراً کہا کہ یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے سر پر کُلّے رکھو اور روزے کھولو۔ اسی طرح میرے دادا مرحوم کے درس میں ایک غبی لڑکا تھا جو صرف ناظرہ قرآن پڑھتا تھا ایک دن راقم آثم نے صرف یہ دو جملے اسے بتلاتے کہ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ کو اچھی طرح یاد کرو، بار بار بتلانے کے باوجود وہ انکا تلفظ تو یاد نہ کر سکا لیکن بڑے زور سے انہیں یوں پڑھتا رہا کہ۔ راہ دوھاندا وکھو وکھ۔ راہ دوھاندا وکھو وکھ۔ یعنی دونوں کی راہ الگ الگ ہے۔ پھر جب اسے ڈانٹ کر کہا کہ یہ کیا پڑھتے ہو؟ آگے سے اسکا جواب یہ تھا کہ صاحب جی میں ابھی انکے معنی یاد کر رہا ہوں۔ اسی طرح سر سید صاحب نے بھی اپنی تلفیقانہ[1] قاف[2] و دال کی

---

[1] جھوٹی باتوں کو آرائش دینا اور چمکانا۔ [2] بیہودہ باتیں

بنا پر خدا کے کلام قرآن حمید کے کچھ ایسے ہی معنی کر کے پورے قرآن ہی کو بدل دیا ہے۔ سرسید صاحب کی تحریف القرآن المعروف بہ تفسیر القرآن اور کتابیں پڑھتے ہوئے یہ بات اصفیٰ واجلیٰ واضح ہوتی چلی جاتی ہے کہ سید صاحب کتاب وسنت کے کاسف[۳] اور پاکیزہ دینِ اسلام کے کاشح[۴] تھے۔ جو حضرات سرسید کو مصلح اور انکے تخیلات فاسدہ اور تحریراتِ کاسدہ کے سراب وحباب کو آبِ حیات کا سمندر سمجھ کر اس میں عقیدت ووابستگی کی کاغذی کشتیوں کی شناوری کرتے ہوئے تھکتے نہیں انکو دعوتِ غور وفکر دی جاتی ہے کہ اب بھی سنبھل جائیں تو خداوند کریم غفور رحیم ہے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت سید صاحب دینِ اسلام کے معتقد نہیں تھے۔ بلکہ ڈھنکے کی چوٹ منتقد تھے۔ سرسید صاحب کے معتقد پیروکاروں کی خدمت میں مرافعہ گزار ہوں کہ اس ہیچ میرز کو سب وشتم کرنے سے پہلے ان کی تفسیر القرآن۔ خلق الانسان۔ الجن والجان علی ما فی القرآن۔ کا بغور وتعمق بنظر امعان مطالعہ کر کے قرآن واحادیث کی تصریحات سے خود تقابل کرلیں۔ سرسید صاحب دین اسلام کی پٹڑی سے سینہ تان کر اس لیے اتر گئے ہیں کہ وہ مذہبی علوم کے کامل عالم نہ تھے دوسرا لغت عربی سے بالکل کورے تھے۔ تیسرا انہوں نے بغیر علم کے قرآن کی تفسیر لکھنا شروع کر دی ایک مفسر قرآن کو جن علوم کی مہارت کاملہ کی اشد ضرورت ہوتی ہے ان میں سے وہ کسی ایک کے بھی ماہر نہ تھے۔ آج کل کے پٹواری کے امتحان کی سطح کا اس وقت مختاری کا امتحان ہوتا تھا جسے وہ پاس کر کے مغلیہ دور میں جج بن گئے پھر انگریزوں

۳؎ گھنانے والا۔

۴؎ جو کسی سے دل میں عداوت اور ظاہر میں دوستی رکھے۔

کے آتے ہی وہ انکی خوشنودی حاصل کرنے میں غرق ہو گئے عربی زبان اتنی وسیع وعمیق ہے کہ اسکا ایک ایک لفظ اپنے اندر معانی کا ایک سمندر سموئے ہوتے ہے مثلاً لفظ طیّب کو ہی لے لیجئے اور دیکھئے کہ یہ کتنے معانی میں استعمال ہوتا ہے لسان العرب میں ۱/۲ ۵ صفحات اس کے معانی سے بھرے پڑے ہیں جن میں سے صرف چند بطور نمونہ کے بقرار زیر پیش خدمت ہیں۔

۱- اَرضٌ طیّبۃ للتی تصلح للنبات — زرخیز زمین کو طیبہ کہتے ہیں۔

۲- وریح طیّبۃ اذا کانت لینۃ لیست لبشدیدہ — ہوا میں جب تُندی کی شدت نہ ہو اور وہ خنک آمیز ہو کر نرمی سے چلے تو اسے ریح طیبہ کہتے ہیں۔

۳- طعمہ طیبہ اذا کانت حلالاً۔ — کھانا جب حلال ہو تو اسے طعام طیّب کہتے ہیں۔

۴- وامراۃ طیبہ اذا کانت حصانا عفیفہ — عورت جب محصنہ اور عفیفہ و پاکدامن ہو تو اسے امراۃ طیبہ کہتے ہیں۔

جیساکہ قرآن میں ہے۔ وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ - النور۔

۵- الکلمو الطیّب توحید اللّٰہ۔ شہادۃ ان لا الہ اِلَّا اللّٰہ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رسول اللّٰہ — اللہ کی توحید کا کلمہ طیب ہے یعنی یہ گواہی دینا کہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اسی لیے پہلے کلمہ کو طیب کہتے ہیں۔

٦- وكلمة طيّبة اذا لم يكن فيه مكروه

خستہ اور پاکیزہ کلام کو بھی کلمہ طیبہ کہتے ہیں۔

٧- و بلدة طيّبة اى آمنة كثير الخير

جہاں ہر طرح کا امن اور نیکیاں کثرت سے ہوں اسے بلدہ طیبہ کہتے ہیں۔

٨- حنطة طيّبة

صاف ستھری موٹے دانے والی گیہوں کو طیّب کہتے ہیں

٩- تربة طيّبة اى طاهرة۔

پاک مٹی کو بھی طیب کہا جاتا ہے جیسا کہ تیمم کی آیت میں ہے فتیمّموا صعیدًا طیبًا

١٠- وزبون طيّب اذا سهل مبايعته۔

دودھنے کے وقت بہت زانوں مارنے والی اونٹنی جب نرمی سے کھڑی ہو کر دودھ دے دے تو اسے زبون طیب کہتے ہیں اسی طرح لڑائی میں جب فتح ہو تو اسے حرب طیّب کہتے ہیں۔

١١- وسبيٌ طيّبٌ اذا لم يكن غدر ولا نقض عهد۔

قیدی جب نہ غدر کرے اور نہ عہد توڑے اور مطیع و منقاد ہو کر رہے تو اسے سبی طیب کہتے ہیں۔

١٢- طعام طيب للذى يستلذّ الآكل طعمه

جس کھانے سے کھانے والے کو خوب لذت حاصل ہو وہ بھی طعام طیّب ہے۔

قوله عزوجل۔ طبتم فادخلوها خالدين معناه كنتم طيّبين فى الدنيا فادخلوها الخ

وہ بھی طعام طیب ہے تم خوشی سے اس جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ تم دنیا میں کفر و شرک اور تمرد و طغیان سے پاک رہے ہو، پاک لوگوں کی اس

(لسان العرب ص ۵۶۳ ج ۱) جگہ میں داخل ہو جاؤ۔

طیبب خلاف ہے خبیث کے اور خبیث حرام سے کنایہ ہے۔[1]

سید صاحب جگہ جگہ لفظ فطرت اور سپر نیچرل استعمال کرتے ہیں اور اسی پر انہوں نے اپنے جدید متفرنج اسلام کی عمارت کی تعمیر شروع کر دی لیکن قلتِ علم کی وجہ سے وہ لفظ فطرت کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں امتیاز نہ کر سکے۔ انگریزوں کی پشت پناہی سے علی گڑھ کالج تو قائم کر گئے لیکن اسلامی دنیا میں اپنے اسلامی تشخص کا اپنے ہی ہاتھوں جنازہ نکال کر چلے گئے۔ بقول شاعر ؎

نہ خُدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے ہم

سرسید کا مبلغ علم

انگریزوں کا کاردار و کارگزار ہونے کی وجہ سے متفرنج حضرات میں سرسید صاحب نے بڑی مقبولیت کا شرف حاصل کیا جنکی کورانہ عقیدت کے دبیز پردوں نے خان بہادر صاحب کے جحاد والحاد اور دین اسلام سے انحراف کو اتنا مستور و مکتوم اور مکنون (پوشیدہ) کر دیا کہ سادہ لوح لوگ انہیں مصلح و محقق اور نجات دھندہ سمجھ بیٹھے جس کے نتیجہ میں کچھ لوگ ایمانیات کے فوائد و اثرات سے بیگانے ہوتے گئے اور تحقیق کے نام سے قرآن حکیم کو تختۂ مشق بنانے اور شرح قرآن احادیث نبوی کا انکار کرنا ہی اصل اسلام سمجھنے لگے، چنانچہ اسلم جیراج پوری اور غلام نبی المعروف عبداللہ چکڑالوی اور ان کے اعوان و انصار دین اسلام کو مکدر کرنے کے لیے محدثین کی جگہ مستحدثین بنکر منکر حدیث کہلوانے میں فخر کرنے لگے۔ اور امر واقع یہ ہے کہ احادیث نبوی قرآن کریم کی اصل شرح ہے حدیث کے بغیر قرآن فہمی کا دعویٰ کرنا ہی اعلانِ الحاد ہے۔ غور فرمایئے قرآن کریم نے وضوء۔ نماز۔ روزے کا حکم صرف دیا ہے۔

---

[1] آخر میں دیکھو استدراک

انکو مکمل طریقے سے ادا کرنے کا طریقہ نہیں بتایا کیونکہ یہ فریضہ صاحب قرآن و شارح قرآن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذمّہ تھا اور انہوں نے بالہام الٰہی اپنے قول و فعل کے ذریعے سے بتایا ہے جسے زبان شرع میں احادیث کہتے ہیں۔ درحقیقت سر سید صاحب نے عالم ذہول میں قرآن کریم کی صریح تصریحات کی تحریفات کا جو بیڑا اٹھایا اس کی چار بڑی وجوہات تھیں ایک تو صاحب موصوف قرآن حکیم کے علوم سے کورے تھے۔ دوسرے وہ احادیث کے منکر تھے۔ تیسرے وہ عربی لغت میں معمولی شُدبُد رکھتے تھے اسکے قطعی طور پر ماہر نہ تھے۔ چوتھا وہ جاہ و جلال اور انگریزوں کی خوشنودی کی کارگزاری کے صحرا میں سرگرداں تھے جاہ و جلال کی حرص و آز کے لیے یہ ثبوت کافی ہے کہ انگریزوں کی انہوں نے ہر طرح سے مدد کی اور دہلی سے بھاگ کر لندن میں ملکہ وکٹوریہ کے سامنے سرنگوں ہو کر اسے سلام کیا اور اسکے قدموں میں گھٹنے کے بل جُھک کر اسکے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

ساری امت اجابت کی مخدرات و مستورات پیغمبر خدا کی روحانی بیٹیاں ہیں لیکن امت کو تعلیم دینے کی خاطر خواجہ گیہاں نے بیعت لیتے وقت بھی کسی عورت کے ہاتھ کو چھوا تک نہیں[1] پانی کے برتن میں اپنا دست مبارک ڈال کر نکال لیتے پھر صحابیات اس میں اپنے اپنے ہاتھ ڈال کر مطیع و منقاد ہونے کا اقرار کرتی تھیں یا پھر چادر مبارک کا ایک سرا دست رسالت میں رکھتے اور دوسرا سرا بیعت کرنے والیوں کو پکڑا کر توحید و سنت کی اتباع کا اقرار کراتے۔

پیغمبر خدا کی مخالفت بھی کرنا اور اپنے آپکو مسلمان بھی کہلوانا دونوں متضاد چیزیں ہیں کسی نے کہا ہے۔ کہ ؎

لے جائیگا وہ راہ رو کو جادۂ منزل سے دور۔ جو جادہ سفر کا تیرے جادہ کے سوا ہے

[1] تفسیر الممتحنہ ۱۲ ۔ ما مست النبی ید امراۃ قط۔ عن عائشۃ

سرسید خان بہادر صاحب کے قلب سقیم وفہم سقیم اور کلام سقیم نے دین اسلام میں جو جو تحریفات بکیدہ کی ہیں اور امت مسلمہ کے تمام علماء کرام جن میں محدثین ومفسرین مع آئمہ اربع اور امام بخاری جیسے اکابرین خدا کے مقرب ترین بندے بھی شامل ہیں۔ ان کی جو ہتک کیدہ کی ہے اسے پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اب انکو ثلج صدر کے ساتھ ملاحظہ فرماتے چلئے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ — اور جب وعدہ لیا ہم نے تم سے اور
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ الخ — بلند کیا ہم نے تم پر طور پہاڑ کو۔

(البقرہ - ۶۳)

اسکے تحت سرسید اپنے ہتاک قلم سے تحریف بکیدہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر نہیں رکھا تھا بلکہ آتش فشانی سے پہاڑ ہل رہا تھا اور وہ اسکے نیچے کھڑے یہ سمجھ رہے تھے کہ انکے سروں پر گر پڑے گا۔

دوسری جگہ یہ قصہ سورۃ اعراف میں آیا ہے۔ دونوں مقاموں میں چار لفظ ہیں جنکے معنی حل ہونے سے مطلب سمجھ میں آوے گا۔ رفع - فوق - نتق - ظلّہ - رفع کے معنی اونچا کرنے کے ہیں مگر اس لفظ سے یہ بات کہ جو چیز اونچی کی گئی ہے وہ زمین سے بھی معلق ہو گئی ہو لازم نہیں آتی، دیوار اونچا کرنے کو بھی رَفَعْنَا کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ زمین سے معلق نہیں ہوتی۔ فوق - کے لفظ کو بھی اس شے کا زمین سے معلق ہونا لازم نہیں ہے - نتق - کا لفظ البتہ بحث طلب ہے جسکے معنی علماء نے بھی مذہبی عجائبات بنانے۔ قلع کے بھی لئے ہیں۔ جس کو زمین سے یا جگہ سے علیحدہ کرنا لازم ہے اور رفع کے بھی لئے ہیں جس کو علیحدہ کرنا لازم نہیں ہے۔ بیضاوی نے لکھا

ہے۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ ای رفعناه و قلعناه
مگر قاموس میں اسکے معنی ہلا دینے کے لکھے ہیں۔ نتقه - زعزعه
اور زعزع کے معنی ہلا دینے کے ہیں یعنی ہم نے پہاڑ کو ہلا دیا۔ اور الفاظ
وظنوا انه واقع بھم زیادہ تر پہاڑ کے ہلا دینے کے ہیں جس
سے انکو اسکے گرنے کا گمان ہوا مناسب ہے

ظلّه کے معنی سائبان کے بھی ہو سکتے ہیں۔ چھتری کے بھی ہو سکتے ہیں
اور جو چیز ہم پر سایہ ڈالے۔ اسکے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اس چیز کا زمین سے معلق
ہونا ضروری نہیں۔ .... اب غور کرنا چاہیئے کہ واقعہ
کیا تھا۔ بنی اسرائیل جو خدا کو دیکھنے کو گئے تھے طور یا طور سینین کے نیچے کھڑے
ہوئے تھے پہاڑ انکے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا وہ اس کے سایہ تلے تھے۔
ورطور لبسبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا جسکے سبب وہ
گمان کرتے تھے کہ ان پر گر پڑے گا۔ پس اس حالت کو خدا تعالیٰ نے ان لفظوں
میں یاد دلایا ہے کہ۔ ورفعنا فوقکم الطور۔ نتقنا الجبل
فوقھم کانه ظلة و ظنوا انه واقع بھم
پس ان الفاظ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عجیب ہو یا مطابق واقع اور
موافق قانون قدرت نہ ہو۔ ہاں مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقعہ کو عجیب
وغریب واقعہ بنا دیا ہے اور ہمارے مسلمان مفسر (خدا ان پر رحمت کرے)
عجائبات دور از کار کا ہونا مذہب کا فخر اور اس کی عمدگی سمجھتے تھے۔ اس
لیے انہوں نے تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات یعنی (معجزات) بھر دی ہیں۔
بعضوں نے لکھا ہے کہ کوہ سینا کو خدا انکے سر پر اٹھا لایا تھا کہ مجھ سے اقرار کرو نہیں
تو اسی پہاڑ کے تلے کچل دیتا ہوں۔ اور بعضوں نے الخ...... یہ تمام خرافات ہیں

لغو وبیہودہ ہیں الخ (انظر، تفسیر القرآن ص ۹۷ ج ۱ تا ص ۹۹ ج ۱-)

حضرات قارئین کرام و خوانندگان عظام یہ ہیں سرسید صاحب کے عقائد و نظریات کسیدہ اور خیالات و تحریفات مکیدہ اب قرآن و حدیث اور لغت عربی ہی کی ضوء میں سرسید کے دین اسلام سے مکابرانہ انحراف و انحطاط پر متفرنج و مستغربین کی عقیدت کا پڑا ہوا دبیز پردہ اٹھا کر انکی اصل شخصیت کو دیکھئے کہ انہوں نے علمی تقصد اور انکار حدیث کی وجہ سے خدا کے پاک کلام میں کیا کیا تحریفات اور تغیر و تبدل کیا ہے. جوں جوں آپ ان حقائق کو آگے پڑھتے جائیں گے نئے نئے انکشافات آپکے سامنے آتے جائیں گے. سرسید صاحب نے علامہ قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر البضاوی الشافعیؒ ولادت ۵۹۰ھ تو فی ۶۸۵ھ کی تردید میں لکھا ہے کہ انہوں نے نتقنا الجبل کا معنی۔

ای رفعناہ و قلعناہ. یعنی ہم نے پہاڑ کو اکھاڑ کر انکے سروں پر بلند کیا مگر قاموس میں اسکے معنی ہلا دینے کے لکھے ہیں. کمامر

درحقیقت سید صاحب کی اس لن ترانی سے یہ بات خود بخود جلی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ مذہبی علوم اور عربی لغت کے بالکل کورے تھے اگر انہوں نے تفسیر بیضاوی پڑھی ہوتی اور حدیث کا انکار نہ کیا ہوتا تو وہ اس لغوی ذھول کا ارتکاب نہ کرتے. تمام عالم اسلام کے علماء علامہ بیضاویؒ کو محقق عالم اور عربیت کا ماہر تسلیم کرتے ہیں. پھر اگر قاموس ہی میں نتق کے باقی معانی دیکھ لیتے تو بھی اس ذھول و زلت سے بچ جاتے یا پھر لغت عربی کے امام ابن منظور افریقی روح اللہ روحہ کی لسان العرب جو انکے پاس موجود تھی اسے ہی دیکھ لیتے اور المحکم بھی انکو مل سکتی تھی کیونکہ کتب خانوں کی اہم کتب انگریزوں نے غصب کر لی تھیں۔ وہ انگریز کے ہی آدمی تھے اب نتق کے معانی بنظر عمیق و امعان ملاحظہ فرمایئے۔

نتق۔ پھاڑنا۔ بلند کرنا۔ پھیلانا (ملاحظہ ہو مصباح اللغات)

نتق۔ اٹھانا۔ اکھاڑنا۔ ملاحظہ ہو لغات سعیدی۔

نتق۔ الزعزعہ۔ سخت حرکت دینا۔ تاروں کا ٹوٹنا کھینچنا۔

وجاء فی الخبر انہ اقتلع من مکانہ	حدیث میں آیا ہے کہ وہ پہاڑ اپنی جگہ سے (تھوڑ دیر کے لیے) اکھاڑ دیا تھا۔

حدیث میں قلع کا لفظ استعمال ہوا ہے اور قلع اس چٹان کو کہتے ہیں جو پہاڑ سے جدا ہو گئی ہو۔

النتق۔ و ھو ان یقلع الشئی فیرفعہ من مکانہ لیرمی بہ۔ والناتق الفاتق۔	نتق کے معنی ہیں۔ کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر پھر اسکو اوپر اٹھا کر اس سے کسی کو مارنا۔ جدا کرنا۔
حدیث علی رضوان اللہ علیہ۔ البیت المعمور نتاق الکعبۃ من فوقھا ای ھو مظل علیھا فی السماء (لسان العرب ص ۳۵۱ - ۳۵۲ ج ۱۰)	سیدنا حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ بیت المعمور کعبہ شریف کی سمت الراس ہیں بالکل اسکے اوپر ہے۔ یعنی آسمان میں کعبہ شریف پر وہ سایہ کیئے ہوئے ہے۔ غور فرمایئے یہاں نتق کے معنی سمت الراس کے ہیں۔

قارئین فخام غور فرمایئے سید صاحب کہتے ہیں کہ نتق کے معنی صرف ہلانے کے ہیں۔ کتنا بڑا جھوٹ ہے۔ اور عربی لغت میں نتق سے مراد پہاڑنا اٹھانا۔ اس سے کسی کو مارنا۔ سخت حرکت دینا۔ کھینچنا۔ پھیلانا۔ بلند کرنا علامہ بیضاوی علیہ سحائب الرحمت والرضوان نے نتق کے معنی رفعناہ وقلعناہ

لغت عربی اور حدیث نبوی کے مطابق وموافق کئے ہیں لیکن سید صاحب دہریت (ATHEISTIC) کی ملحدانہ ومنکرانہ روش سے اسکا انکار ہی کرتے چلے جارہے ہیں

فوق۔ فرق کے معنی بھی دیکھ لئے جائیں۔

فوق نقیض تحت۔	فوق نیچے کی ضد ونقیض ہے۔
الفرق خلاف الجمع۔	فرق جمع کی ضد ہے فرق جدا کرنے کو کہتے ہیں۔
قال علیہ السلام۔ البیعان بالخیار مالم یتفرقا بالابدان۔ قال اللہ تعالےٰ فیھا یفرق کل امر حکیم ای یفصّل۔	نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ بائع اور مشتری جب تک جسمانی طور پر الگ الگ نہ ہوجائیں تو انکو بیع توڑنے کا اختیار ہے۔

اسی رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم ہو کر طے کیا جاتا ہے یعنی معاملات کو الگ الگ نمٹایا جاتا ہے۔ غور فرمایئے فرق کے معنی الگ کرنے کے ہیں سر سیدؒ کی تفسیر القرآن کو جو شخص بھی کورانہ عقیدت کا قلادہ اتار کر بنظر امعان پڑھے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ موصوف نے خدا کے کلام کو اپنی محرفانہ تاویلات فاسدہ اور عقائد کاسدہ سے پہیلیوں۔ چیستانوں اور بجھارتوں کا ایک مجموعہ بنا کر پیش کیا ہے تاکہ معاندین دین حقہ خوش ہو کر ان کی عزت واکرام کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔ نیز تحریف قرآن کیساتھ اپنے جدید مذہب کی تائید وترصیص کے لیے اور بھی چند کتابیں لکھی ہیں مثلاً خلق الانسان لکھ کر رابرٹ چارلس ڈارون ولد ۱۸۰۹ء متوفی ۱۸۸۲ء کے نظریۂ ارتقار

اور سر چارلس لائل ولادت ۱۷۹۷ئہ توفی ۱۸۷۸ئہ کی کتاب۔ انسان کا عہد پارینہ۔ کی تصدیق کر کے قرآنی حقائق کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

الجن و الجان علی ما قال فی الفرقان میں جنات کی مخلوق د موجود ہونے کا انکار کر کے قرآن حکیم کی سیکڑوں آیات بینات کو جھٹلا کر کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین کرتے چلیئے کہ سر سید صاحب نے۔ تہذیب الاخلاق کے نام سے ایک مجلہ جاری کیا تھا جس کے لیے مقالات لکھنے والے بقرارزہر حضرات تھے۔

۱۔ مولوی مہدی علی مصنف آیات بینات جنکو نواب محسن الدولہ اور محسن الملک کے القاب ملے ہوئے تھے

۲۔ مولوی چراغ علی۔ جو لاطینی۔ سریانی۔ عبرانی۔ سنسکرت۔ عربی۔ فرنچ۔ انگلش زبانیں جانتے تھے۔ انکو نواب اعظم یار جنگ کے القاب ملے ہوئے تھے۔ لیکن وہ بھی عالم نہ تھے۔ اور سید کے ہم کیش تھے۔

۳۔ مولوی مشتاق حسین جنکو انتصار جنگ کا خطاب ملا ہوا تھا۔

۴۔ مولانا خواجہ الطاف حسین حالی اہلحدیث ولادت ۱۸۳۸ئہ توفی ۱۹۱۴ئہ آپ عالم بھی تھے اور شاعر بھی لیکن سر سید کے ہم خیال وہمنوا بھی تھے۔

۵۔ سید محمود صاحب۔ پسر سر سید احمد خان۔

۶۔ مولوی ذکاء اللہ مصنف تاریخ اسلام جنکو شمس العلماء کا خطاب ملا ہوا تھا

۷۔ فارقلیط اللہ صاحب تھے۔ انکے ۱۲۸۷ھ سے ۱۲۹۷ھ تک کے مقالات کی چار جلدیں بنائی گئیں تھیں غلطی سے انکو لوگ سر سید کی تصنیف سمجھ بیٹھے ہیں۔ ایک اور کتاب سر سید صاحب نے عیسائیوں اور مسلمانوں کو ایک نظریے پر متفق کرنے کے لیے۔ تبیین الکلام کے نام سے لکھی ہوئی ہے جس پر نہ کوئی متفق ہوا

اور نہ ہوتا تھا۔

ایک عام تأثر یہ ہے کہ آثار الصنادید۔ سر سید کی تصنیف ہے۔ علامہ عبدالحق حقانی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ اسکے صرف آخری چند صفحات سر سید کے ہیں باقی کتاب کسی اور کی لکھی ہوئی ہے جسکا نام معلوم نہیں ہوسکا کیونکہ میرے پاس اسکا پرانا نسخہ ہے جس کے شروع کے اوراق کہیں الگ ہوگئے ہیں اور میں نے یہ کتاب لال قلعہ میں رکھ دی ہے جسکا جی چاہے وہ نئی آثار الصنادید سے اسکا تقابل کرکے دیکھ لے۔ اصل آثار الصنادید فارسی میں ہے سر سید نے اسی فارسی کا ترجمہ کرکے آخر میں اپنے قریبی دور کے اعیان و زعما اور فن تعمیرات و عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ راقم آثم نے بھی ایک کتاب میں قدیم اہم تصانیف کا تذکرہ پڑھا تھا اس میں آثار الصنادید[۱] کے مصنف کا نام مرزا حسین علی تھا۔ یا اس سے ملتا جلتا کوئی نام تھا جس میں مرزا کا لفظ یقینی تھا مگر افسوس کہ کثرت اسفار و ہجوم کار اور بار بار کی نقل مکانی کی وجہ سے وہ مسودہ کہیں ضائع ہوگیا اور اب ان کتب کا تتبع مالایطاق ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اصل آثار الصنادید فارسی میں تھی سر سید نے اسی کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ آپ فارسی دان تھے۔

یار لوگ ایک تأثر یہ دیتے ہیں چلے آرہے ہیں کہ گستاخ و بیباک۔ سر ولیم میور۔ کی کتاب لائف آف محمد۔ کا جواب لکھ کر سر سید نے دین کی بڑی خدمت کی ہے، درحقیقت یہ خوش فہمی اور دھوکا ہے۔ سر سید نے الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ میں۔ سیرت النبی کیساتھ بھی وہی سلوک کیا ہے جو قرآن کریم کی تحریفات کرکے اسکے ساتھ کیا ہے۔ خصوصاً خطبہ یازدہم میں شق صدر کی روایات

---

[۱] بزرگوں اور بادشاہوں کی نشانیاں در تاریخی عمارتیں۔ صنادید کی جمع صنادید ہے۔

اورمعراج النبی پر کتاب وسنت کی مسلمہ تصریحات وارشادات کامذاق اڑاکر سیرت پاک پر بیباک قلم سے بکدرانہ چھینٹے پھینکھ کرگستاخ ومنکر مسٹر ولیم میور سے بھی بازی لے گئے ہیں۔ من شآء فلینظر فیھا۔ حضرت سعدی شیرازی ولد ۵۸۹ھ توفی ۶۹۱ھ کے اشعار سید صاحب پر خوب صادق آتے ہیں کہ

شنیدم گوسپندے را بزرگے
رہا نیند از دہان و دست گرگے
شبانگہ کارد بر حلقش بمالید
روان گوسفند ازوے بنالید
کہ از چنگال گرگم در ربودی
چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی

ترجمہ:۔ میں نے سنا ہے کہ ایک بزرگ نے بکری کو بھیڑیئے کے منہ اور پنجے سے چھڑایا۔ رات کو خود اسکے گلے پر چھری پھیر دی بکری کی جان اس سے فریاد کرنے لگی کہ بھیڑیئے کے پنجے سے تو نے مجھے چھڑایا، جب میں نے غور کیا تو انجام کار تو خود بھیڑیا تھا۔

سرسید کی تحریرات سے یہ بات توضیح کیساتھ ثابت ہے کہ وہ عجائبات قدرت کے قطعی منکر تھے۔

سرسید بیت اللہ کی عظمت وبرکت کے منکر تھے

سرسید لکھتے ہیں کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اسکے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے۔ یہ ان کی خام خیالی ہے۔ الخ

اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اسکے گرد تو اونٹ اور گدھے

بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوتے۔ (تفسیر القرآن ص۲۱۱ ج۱ ص۲۵۱ ج۱)

سرسید مزید گوہر فشانی یوں کرتے ہیں کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم نہیں ہے۔

نماز میں سمت قبلہ کوئی اصلی حکم مذہب اسلام کا نہیں ہے الخ

(تفسیر القرآن ص۱۵ ج۱ ص۱۶۱ ج۱ طبع اوّل)

سرسید جیسے لوگوں کے رد میں اللہ پاک فرماتا ہے کہ مُبارَک گا یہ وہ مقام ہے جس میں مادی اور روحانی۔ دینی و دنیاوی برکتیں جمع کردی گئی ہیں۔ لَلَّذِی میں لام تاکید کا ہے۔ واللام توکید۔ قرطبی ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (اٰل عمران – ۹۶)

سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے وضع کیا گیا وہ وہ ہے جو مکہ میں ہے (سب کے لیے) برکت والا اور سارے جہان کے لیے راہنما ہے۔

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (اٰل عمران – ۹۷)

اس میں کھلے ہوئے نشان ہیں (ان میں سے ایک) مقام ابراہیم ہے جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ امن سے ہو جاتا ہے۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا۔ (البقرہ – ۱۲۵)

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے ایک مقام رجوع اور مقام امن مقرر کیا۔

حضرات قارئین کرام ذرا ثلج صدر کیساتھ غور فرمایئے کہ اللہ تعالےٰ نے کعبہ شریف کو برکت والا۔ حرمت والا۔ اور لوگوں کے لیے مأمن، امن والا قرار دیا ہے اور نبی علیہ السلام نے اسکے فضائل بتلاتے ہیں اور فرمایا کہ مسجد حرام میں ایک نماز

پڑھنے والے کو ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن پوری امت میں ایک سرسید ہی ایسے ہیں جو اسے خام خیالی کہتے ہیں اور یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے اسکے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں اور ان میں سے کوئی حاجی نہیں ہوتا۔ (الامان والحذر)

عظمت کعبہ کی بابت دوسری جگہ ارشاد ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔ (المائدہ ۹۷ - الانعام ۸) اللہ نے کر دیا کعبہ کو جو گھر ہے بزرگی والا (حرمت والا) قیام کا باعث لوگوں کے لیے۔

قارئین کرام، اس آیت میں بھی کعبہ یعنی بیت اللہ شریف کی عظمت و حرمت بیان فرمائی گئی ہے اور دوسری آیات بینات اور احادیث مکرمات میں بھی بیت اللہ شریف کی عزت و حرمت اور مکرمت بیان کی گئی۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

کعبہ شریف دینی اور دنیوی دونوں حیثیت سے قابل احترام ہے کیونکہ کعبہ شریف تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق تکمیل روحانیت اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے۔ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقا کا باعث ہے دنیا کی آبادی اس وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اسکا احترام و اکرام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔

اب سرسید کے کعبہ شریف کے متعلق گستاخانہ کلمات ایک بار پھر غور سے پڑھ کر خود ہی فیصلہ فرمایئے کہ وہ دین اسلام کے منتقد اور ہتاک ہیں کہ نہیں ؟ ـ

امام الہند عظیم الدین احمد المعروف بہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی روح اللہ روحہ ولد ۴ شوال ۱۱۱۴ھ موافق ۱۷۰۳ء توفی ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ موافق ۲۰ اگست ۱۷۶۳ء نے حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرمایا ہے کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں۔ قرآن ۱-

پیغمبر - ۲ کعبۃ اللہ - ۳ نماز - ۴ - یاد رہے کہ کعبہ اسلام کا مرکز و محور ہے انکی تعظیم وہی کریگا جسکا دل تقویٰ سے مالامال ہو - ارشاد ربانی ہے کہ .

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ . (الحج - ۳۲)

اور جو کوئی دین خدا کی یادگاروں کا ادب رکھیگا سو یہ ادب دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے .

اس آیت نے یہ بات صاف کردی کہ جو چیزیں اللہ تعالےٰ سے منسوب و منتسب ہیں انکی تعظیم و تکریم عین جزو دین ہے . اس لیے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو تو یہ حکم دیا ہے کہ تم اللہ کے شعائر کی توہین و بے حرمتی مت کرو . اور بیت اللہ یعنی کعبہ تو شعائر اللہ رکن اعظم ہے . ارشاد ہے .

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ . المائدہ .

اے ایمان والو بے حرمتی مت کرو اللہ کے شعائر (نشانیوں) کی . سرسید نے کعبہ کے متعلق جو توہین آمیز لہجہ اختیار کیا ہے اسے دیکھ کر اب آپ خود ہی یہ فیصلہ کرلیجئے کہ کعبہ شریف کی توہین کرکے سرسید دین میں رہے ہیں یا اس سے خارج ہو گئے ہیں کیونکہ کعبہ شریف شعائر اللہ ہے جسکا احترام کرنا ایمان کی جُز ہے . ثابت ہوا کہ خدا سے منسوب یعنی اسکے نام لگی ہوئی چیزوں کا ادب و احترام وہی کریگا جس میں ایمان ہوگا اور جس میں ایمان ہی نہیں وہ خدا کے گھر بیت اللہ . کعبۃ اللہ کو سرسیدؔ کی طرح یہی کہے گا کہ پتھر کے اس چوکھونٹے کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے انکے گرد تو گھوڑے گدھے اور اونٹ بھی پھرتے ہیں ان میں سے حاجی کوئی نہیں ہوتا . معاذ اللہ - شعائر اللہ کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے کہ

۱ - زمانِ عبادت :- اوقاتِ عبادت اور ایام عبادت اس میں داخل ہیں .

۲ - مکانِ عبادت :- کعبۃ اللہ . مساجد شعائر اللہ ہیں .

۳ - علاماتِ عبادت :- پیغمبرانِ عظام . صحابہ کرام . اولیاء فخام . علماءِ حق ذوالاحتشام اس میں شامل ہیں . قربانی کے جانور بھی اس میں داخل ہیں .

سر سید مذہب اسلام سے خارج تھے

سر سید خود اپنے قلم خائن و ہتاک سے ارقام فرماتے ہیں کہ

یہ بھی مسلّم ہے کہ قرآن مجید بلفظہٖ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا جیسا کہ مذہب عام علماء اسلام کا ہے یا ملکہ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے ملاحظہ ہو۔ تفسیر القرآن ص ۳ ج ۱۔ از سر سید۔

ثلج صدر کیساتھ غور فرمایئے کہ سید صاحب خود ہی علماء اسلام کے مذہب سے الگ اپنا ایک خاص مذہب بنا کر خود ہی اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔

سر سید ملکہ وکٹوریہ کے قدموں میں

ملکہ وکٹوریہ VICTORIA بمعنی فتحیاب۔ اقبال مند۔ مالکہ۔ ملکہ وکٹوریہ کی ولادت ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء میں ہوئی اور ۲۰ جون ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئی۔ ۲۰ جون ۱۸۸۷ء کو اسکا پچاس سالہ جشن تخت نشینی منایا گیا JUBILEE - ۶۴ سال حکومت کر کے ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء میں فوت ہو گئی۔ سر سید ملکہ سے تقریباً دو سال بڑے تھے۔ اسی ملکہ وکٹوریہ نے وکٹوریہ کرو س، فوجی تمغہ رائج کیا تھا جس پر صلیبی نشان تھا۔

۱۱ مارچ ۱۸۷۰ء میں سر سید نے لندن میں ملکہ وکٹوریہ سے جو ملاقات کی تھی اسکی روداد انہی کے الفاظ میں بقرار زیر ہے۔ جب ملکہ معظمہ تشریف لائیں تو میں نے بھی شل تمام درباریوں کے اپنے نمبر پر جا کر سلام کیا۔ سلام کرنے کا دستور یہ ہے کہ ملکہ معظمہ سے ہاتھ ملا کر اور بایاں گھٹنہ ٹیک کر حضور ممدوحہ کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہیں

ماہنامہ، الحق اکوڑہ خٹک۔ نومبر ۱۹۸۴ء بحوالہ مسافران لندن۔ مرتبہ سر سید خان بہادر مطبوعہ ترقی اردو ادب، لاہور ص ۲۰۴۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ فرہنگ آصفیہ۔ مولفہ مولانا سید احمد حسین خان دہلوی ولد محرم ۱۲۶۲ھ موافق ۸ جنوری ۱۸۴۶ء توفی ۲۹ شعبان ۱۳۳۶ھ موافق ۱۱مئی ۱۹۱۸ء۔ انکو بھی برطانیہ کے حکمرانوں نے خان بہادر کا خطاب دیا ہوا تھا۔ قارئین فخام ذرا ثلج صدر کے ساتھ غور فرمائیے کہ سرسید میں نہ ہی ایمان تھا اور نہ غیرت قومی نہ حمیت اسلام کیونکہ اسلام میں غیر عورت سے مصافحہ کرنا قطعاً حرام ہے اسی طرح غیر عورت کے ہاتھ یا بدن کے کسی بھی حصہ کو چھونا یا بوسہ دینا بھی قطعاً حرام ہے۔ پھر سید صاحب ملقب بہ خان بہادر بیک وقت اتنا صریح حرام کام کرنے کے بعد اسکو فخر سے خود بیان کر رہے ہیں کہ میں نے ملکہ وکٹوریہ سے یوں مصافحہ کیا اور یوں اسکے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اس سوقیانہ (بازاری) حرکت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اخلاقی لحاظ سے بھی بازاری آدمی تھے۔ جج اکبر حسین مرحوم الہ آبادی ولد ۱۸۴۶ء توفی ۱۹۲۱ء عشرت منزل الہ آباد پتے کی بات کہہ گئے ہیں کہ ؎

کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر ٹم ٹم پر
یہی منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

نظر ان کی رہی بس علمی فوائد پر
گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

سید اٹھے جو گزٹ لیکر تو لاکھوں لائے
شیخ قرآن دکھلاتے پھرے پیسہ نہ ملا

کہے کوئی جاکر شیخ سے کہ دیکھئے آکے بزم سید
یہ رونقیں اور چہل پہل ہو تو کیا برا ہے گناہ کرنا

شاعر مشرق نے اسکا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ ؎

وائے قومے کشتۂ تدبیرِ غیر
کار او تخریب خود تعمیرِ غیر

بس کچھ یہی کام سر سید نے بھی کیا ہے کہ ملاحدہ کے افکار و نظریات کو اپنی شطحیات ولغویات سے تعمیری فائدہ پہنچایا ہے اور قرآن کریم کی تحریف اور انکار حدیث کر کے اپنے الحاد کی تخریب کاری سے مذہب اسلام کے پاکیزہ حقائق ودقائق کو سخت نقصان پہنچانے کی سعی مذموم کی ہے۔

فافہموا و تدبروا و تفکروا یا ولی الالباب۔

سر سید خان بہادر نے قرآن حکیم کے منشاء و مطالب کو بدلنے کی مذموم و ناپاک کوشش کی ہے

سر سید ملقب بہ خان بہادر نے معاذ اللہ

و استغفر اللہ خداوند قدوس کو اتنا کمزور سمجھ لیا کہ وہ عجائبات قدرت کا سرے سے انکار ہی کر گئے انکے ذہن عقیم میں یہ چیز مرتسم تھی کہ معاذ اللہ اللہ تبارک و تعالےٰ ما فوق الفطرت خارق عادت کے طور پر کوئی کام کرنے پر قادر ہی نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے بلا کسی علمی دلیل کے تیرہ سو سالہ امت مسلمہ کے مسلم عقائد حقہ اور خداوند قدوس کے احکامات صادقہ جو خدائے وحدہ لاشریک لہ نے اپنے آخری رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی قرآن حکیم کی شکل میں دیئے تھے انکا صاف صاف انکار کر کے اس امت سے خارج ہو گئے۔ امر واقع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی لامحدود قدرت کاملہ پر فرشتوں کی متخیر مخلوق وموجود ہونے پر۔ اللہ تعالےٰ کی کتابوں پر۔ اللہ کے رسولوں پر۔ دیگر ارکان اسلام پر۔ شیاطین و جنات کی مخلوق وموجود ہونے پر۔ اور نظام آخرت پر ایمان لانا یہ تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کے بنیادی پتھر ہیں جن پر دین اسلام کی عمارت کھڑی رہتی ہے جب تک ان پر ایمان واعتقاد نہ ہو تب تک کسی کو مومن و مسلم نہیں کیا جا سکتا

مذہبی میدان عمل میں اپنی عقل ناقص کے سہارے ان میں سے کسی ایک کا یا سب کا انکار کرنا درحقیقت قرآن وسنت اور خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا ہے۔ اور اسی کا نام اصطلاح شریعت میں کفر ہے کیونکہ جنت ودوزخ کے موجود ومخلوق ہونے اور فرشتوں کی متحیز مخلوق وموجود ہونے کی خبر وتعلیم خدا کے آخری رسولؐ نے وحی کے ذریعہ معلوم ہونے پر دی ہے۔ بلکہ یہ پورا نظام معراج کی رات کو آپکو دکھایا گیا تاکہ مشاہدہ کے بعد امت کو وثوق سے بتا دیں۔ اور ان سب چیزوں کا تذکرہ قرآن واحادیث میں وضاحت وصراحت کیساتھ ہمارے سامنے موجود ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا یا سب کا انکار کرنا درحقیقت قرآن واحادیث اور پیغمبر خدا بلکہ خود خدا کا انکار کرنا ہے۔ کفار کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمارے پاس بھی فرشتہ نہ آئے۔ جیساکہ رسولوں کے پاس آتا ہے یا ہم خود اپنے رب کو دیکھ لیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا... (الفرقان ــ ۲۱)	اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہیں اترتے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔

دیکھو بنی اسرائیل ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ اس پر اللہ نے فرمایا۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ۹۵)	فرما دیجئے اگر زمین میں انسانوں کی بجائے چلتے پھرتے فرشتے بستے ہوتے تو ہم ان سکانِ ارضی کے فرشتوں پر آسمانوں سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

فرشتوں کا تفصیلی تذکرہ عنقریب آگے آرہا ہے یہاں اتنا ذہن نشین کر لیجئے کہ فرشتوں کی مخلوق کا متحیز وموجود ہونا یقینی ہے تب ہی تو مذکورہ ارشاد میں انکا تذکرہ کیا گیا ہے اگر فرشتوں کی کوئی مخلوق موجود نہ ہوتی تو کفار کے سوال واعتراض پر اللہ تعالیٰ انکو یوں جواب دیتا کہ فرشتے تو تمہارے اندر ہی موجود ہیں کیونکہ میں نے تمہارے اندر کے نیکی کے ملکۂ قوت کو بلفظ ملائکہ وملک سے تعبیر کر رکھا ہے لیکن فرشتوں کی مخلوق موجود ہے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے یوں فرمایا کہ اگر تمہاری جگہ فرشتے ہوتے تو پھر تمہارا کہا مانا جاتا اور ان کی طرف بھی فرشتہ بھیج دیا جاتا لیکن تم انسانی مخلوق ہو اس لیے تم فرشتے کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے لہذا بھیجنا مناسب نہیں

منصب نبوت ورسالت وہبی ہے۔ کسبی نہیں

قرآن کریم سے یہ بات توضیح کے ساتھ ثابت ہے کہ منصب رسالت وہبی ہے کسبی نہیں ہے لیکن سر سیّد خان بہادر اسے کسبی بتلاتے ہیں کیونکہ وہ یوں لکھتے ہیں کہ جس طرح ایک بڑھی وغیرہ ہر آئے دن اپنے دماغ سے نئی نئی اشیاء ایجاد کر کے بناتا رہتا ہے اسی طرح نبی ہیں جو ملکۂ نبوت ہوتا ہے اسکے ذریعہ سے وہ بھی نیکی کی راہیں بتاتا رہتا ہے اسلئے ملکۂ نبوت کے سوا کوئی اور مخلوق وحی لانے والی نہیں الخ

اسی طرح سر سید خان بہادر نے قرآن کریم کے مطالب بدل بدل کر پیش کئے ہیں۔ کما یاتی۔

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ط	اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام۔

(الانعام - ۱۲۴)

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج — ۷۵)

اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے بھی۔

یہاں فرشتوں کو انسانوں جیسے رسول فرما کر اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ فرشتوں کی مخلوق بھی موجود ہے۔

علامہ عبدالماجد دریابادیؒ ولد ۔۔۔۔ ھ توفی ۱۷ محرم ۱۳۹۷ھ موافق ۸ جنوری ۱۹۷۷ء۔ پہلی آیت کے تحت خامہ فرسا ہیں۔

ترجمہ:۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے۔

یعنی شرف رسالت کا اہل ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا۔ مرتبہ رسالت کے ظرف و اہلیت کا فیصلہ تمام تر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آیت نے عقائد کے اس مسئلہ کو بھی صاف کر دیا ہے کہ ملکۂ رسالت کسبی نہیں وہبی ہے۔ دوسری آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔ ملکی رسول یعنی فرشتے اللہ کا پیغام انبیاء تک لانے والے اور انہیں احکام پہنچانے والے اور نوع انسانی میں سے اللہ کا پیغام نوع انسانی کو پہنچانے والے اور ان سے اسکے احکام سنانے والے۔ اصطلاحی نام انہی کا رسل و انبیاء ہے۔ ان دونوں قسم کے پیغمبروں کا انتخاب تمام تر دست خداوندی میں ہے۔ وہ جسکا بھی چاہے انتخاب کرے۔ ملائکہ میں سفیر اعلیٰ حضرت جبرئیل ہیں، قرآن مجید تمام تر انہی کا لایا ہوا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ ولد ۱۵ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ توفی رجب ۱۳۶۲ھ موافق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء بھی جوں کے توں رقمطراز ہیں۔

اس موقع کو تو خدا ہی جانتا ہے جہاں اپنا پیغام (وحی کے ذریعہ سے) بھیجتا ہے امام حافظ عماد الدین اسمٰعیلؒ بن عمر بن کثیر بن ضور بن ذرع القیسی البصروی

ؒ آپ امام تیمیہ حنبلی کے شاگرد تھے خود شافعی تھے

ثم الدمشقی ؒ ولد ۷۰۱ھ توفی ۲۶ شعبان ۷۷۴ھ بھی جوں کے توں خامہ فرسا ہیں۔
اللہ تعالےٰ جانتا ہے کہ محل رسالت کس کو بنانا چاہیئے اور کون درحقیقت رسول بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس اللہ۔ روحہ۔ ولد ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ موافق ۱۸۸۵ء بجنور توفی ۲۱ صفر ۱۳۶۹ھ موافق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء بغداد الجدید بہاولپور بھی جوں کے توں لکھتے ہیں۔

خیر یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اسکا اہل ہے کہ منصب پیغامبری پر سرفراز کیا جائے اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکے یہ نہ کوئی کسبی چیز ہے کہ دعا یا ریاضت سے یا دنیوی جاہ و دولت وغیرہ سے حاصل کی جا سکے اور ہر کس و ناکس کو ایسی جلیل القدر اور پاکیزہ ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔

غور فرمائیے یہ سب اکابر علماء کرام یہی کہتے ہیں کہ منصب رسالت وہبی ہے کسبی نہیں۔ اللہ تعالےٰ جسے اس عظیم منصب کے لیے پیدا کرتا ہے پھر اسی کو اپنی تربیت خاصہ سے وحی الٰہی کا حامل بنا کر رسالت کا عظیم منصب بخش دیتا ہے پھر قدم قدم پر اس کی حفاظت و راہنمائی فرماتا ہے۔ لیکن سر سید خان بہادر نے تو محض تاویلات سے اسے کسبی بنا دیا ہے۔ چنانچہ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔
جس طرح کہ تمام ملکات انسانی اس کی ترکیب اعضاء دل و دماغ و خلقت کی مناسبت سے علاقہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملکۂ نبوت بھی اس سے (نبی سے) علاقہ رکھتا ہے۔ یہ بات کچھ ملکۂ نبوت ہی پر موقوف نہیں ہے ہزاروں قسم کے جو ملکات انسانی ہیں بعض دفعہ کوئی خاص ملکہ کسی خاص انسان میں از روئے خلقت و فطرت کے ایسا قوی ہوتا ہے کہ وہ اسی کا امام یا پیغمبر کہلاتا ہے۔ لوہار بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ شاعر بھی اپنے فن کا امام یا پیغمبر ہو سکتا ہے۔ . . . . .

اور جس طرح اور قوائے انسانی بمناسبت اسکے اعضاء کے قوی سے قوی تر ہوتے جاتے ہیں اسی طرح یہ ملکہ بھی قوی ہوتا جاتا ہے۔ الخ

(انظر۔ تفسیر القرآن ص ۲۴ ج ۱)

سرسید کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ وہبی منصب نہیں مانتے بلکہ وہ اسکے کسبی ہونے پر مصر ہیں۔

صرف غریبوں سے سود لینا حرام ہے سورہ بقرہ کی آیت ربا کے تحت سرسید لکھتے ہیں کہ اس آیت میں انہیں لوگوں کا ذکر ہے جو غریب مسکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اسی سود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا۔ جو قابل رحم اور ہمدردی اور سلوک کرنے کے تھے خدا نے حرام کیا الخ

سیاق و سباق کلام پر نظر کرنے سے صاف ثابت ہوتا ہے وہی ربا حرام کیا گیا ہے جو ایسے غریب و محتاج آدمیوں سے لیا جاتا تھا جو کھانے کو محتاج تھے اور غلہ یا کھوریں یا اور کچھ قرض لیکر قوت لایموت بہم پہنچاتے تھے الخ

ملاحظہ ہو۔ تفسیر القرآن ص ۲۴۲ ج ۱۔ (تفسیر القرآن ص ۲۴۳ ج ۱)

امیروں سے سود لینا حلال ہے سرسید صاحب مزید لکھتے ہیں اُن کے سوا وہ لوگ ہیں جو ذی مقدور اور صاحب دولت و جاہ و حشمت ہیں اور اپنے عیش و آرام کے لیے روپیہ قرض لیتے ہیں جایئدادیں مول لیتے ہیں مکان بناتے ہیں اور قرض روپیہ لیکر چین اڑاتے ہیں گو انکو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو مگر ان سے سود لینے کی حرمت کی کوئی وجہ قرآن مجید کی رو سے مجھ کو نہیں معلوم ہوتی (ملاحظہ ہو تفسیر القرآن از سرسید احمد خان بہادر ص ۴۳ ج ۱۔ ح اول)

حضرات قارئین کرام۔ غور فرمایئے سرسید نے قرآن کریم کی کس طرح بیباکانہ تحریف کی ہے قرآن وحدیث میں تو سود کو مطلق حرام قرار دیا گیا ہے وہ جس طرح ایک امیر متمول آدمی کے لیے حرام ہے اسی طرح غریب مفلوک الحال کے لیے بھی حرام ہی ہے لیکن سرسید نے اپنے جدید متفرنج اسلام میں صرف غریبوں سے سود لینا حرام قرار دیا ہے اور امیروں سے سود لینا حلال قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ انگریز[1] کے خادم دین کے ہادم، ہوئے ہیں کس قدر بے توفیق۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ ...... (البقرہ - ۲۷۵)	جو لوگ سود کھاتے رہتے ہیں وہ لوگ نہ کھڑے ہو سکیں گے سوا اسکے کہ جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو۔ یہ سزا اس لیے ہوگی کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔ اور سود کو حرام۔

حضرات قارئین کرام ذرا غور فرمایئے کہ زیر عنوان آیت کریمہ میں اللہ تعالٰے نے تو سود کو مطلق حرام قرار دیا ہے۔ یہاں تو یہ کوئی ذکر نہیں فرمایا کہ فلاں سے سودی کاروبار جائز ہے اور فلاں سے حرام۔ حدیث میں سود خور کے لیے سخت وعید فرمائی

---

[1] یہ شاعر مشرق کے شعر کی تضمین ہے۔

گئی ہے۔ پوری امت مسلمہ میں ایک سرسید ہی کی شخصیت ایسی ہے جس نے اپنی طرف سے یہ اُپج لگائی ہے کہ امیروں سے سود لینا حلال ہے اور غریبوں سے سود لینا حرام ہے۔ کسی نے کیا کام کی بات کہی ہے کہ ؎

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جنکی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

مولانا عرشیؔ نے اسکا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ

عرشیٔ ناتواں! سنبھل کے ذرا
مکر کا دام ہے جا بجا بچھا

یاد رہے کہ سرسید اپنی عقل سقیم کے ترازو ئے کج میں اسلام کے مسلمات قدیمہ اور عجائبات کائنات کے حقائق کو تول تول کر لکھتے رہے ہیں لیکن یہ بات وہ بھول ہی گئے کہ عقل دو قسم کی ہوتی ہے ایک عقل معاش اور دوسری عقل معاد یہ بات تو تسلیم ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ عقل معاش تو تھی۔ مگر علوم قرآن سے کورے پن اور فقدانِ بصیرت نے انکو عقل معاد سے محروم کر رکھا تھا۔ علامہ مرحوم پتے کی بات کہہ گئے ہیں کہ ؎

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

یہی وہ شاخسانہ تھا جس نے انکو پوری امت سے الگ کر کے رکھ دیا۔ مغل سریر آرا نے خوب کہا ہے کہ ؎

کوئی کیا جانے کہ ہے کتنا المناک ظفر
قافلہ سے کسی راہ رو کا جدا ہو جانا

سیدؔ کی کج روی کی ستائش کرنے والوں کو دیکھ کر تعقل و تفکر کی زبان پر یہ

شعر آجاتا ہے کہ

اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا ہے

درحقیقت نانوے کے پھیر نے انکی عقل معاد کا چراغ گُل کرکے انکی بصیرت کا فتیلہ بھی چھین لیا تھا جس کی وجہ سے وہ الٰہیات و مُزَخرفات کی دل دل میں جب دھنس پھنس کر رہ گئے تو اسلام کے مسلمات، قدیمہ و قائمہ اور صانع حقیقی کے عجائبات کائنات کا انکار پر انکار کرتے چلے گئے۔ اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے آ آ کر ان سے ملتے گئے اور ایک قافلہ بنتا گیا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسان کی روح میں بصیرت کا وہی مقام ہے جو جسم میں بینا آنکھ کا ہے۔ اسی روحانی سقم کی وجہ سے وہ یہود و نصاریٰ کے علماء کی تقلید میں قرآن کریم کی تحریف کرنے میں احبار و رھبان سے بھی بہت آگے نکل گئے ہیں۔ موصوف نے قرآن حکیم کی صریح تصریحات و احکامات اور ایمانیات کا انکار و تحریفات کر کے خود اپنی جہالت قدیمہ و جدیدہ کا بیّن ثبوت مہیا کر کے رکھ دیا ہے۔ سود کی حلال و حرام کی یہ دو شقیں سر سید کی خود اپنی اختراع ہے دوسری مخترعات کے بھی موصوف قطعی طور پر اکیلے ہی مصنف و مفسر ہیں۔ ازراہِ کذب وافتراء کے خارقِ عادت معجزات و عجائبات، کائنات قدرت کا ڈھنکے کی چوٹ صاف انکار کرتے کرتے جنت و دوزخ اور حور و غلمان پر پھبتیاں کستے ملائکہ و جنات کی مخلوق و موجود ہونے کی ہنسی اڑاتے ہوئے انکو نہ ہی خوف خدا آیا اور نہ ہی شرم و تشویر نے انکی زبان و قلم کو روکا۔ پھر افسوس انکے ان پیروکاروں پر ہے جو ابھی تک ان کی ان ہرزہ سرائیوں اور ہزلیات پر عقلیات و ادبیات کی دبیز کشمیری شالیں بنا بنا کر ڈالتے ہی چلے جا رہے ہیں لیکن قرآن و حدیث کی طرف مراجعت کرنے کی بجائے الٹا سر سید خان بہادر کی وکالت پر وکالت ہی کرتے

چلے جارہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی بابت یہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۔

(النحل - ۱۱۶)

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگادو گے بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ روح المعانی

کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا صرف اللہ تعالےٰ ہی کا حق ہے اسی لیے قرآن عزیز نے بار بار انتباہ کیا ہے کہ تم از خود حلال یا حرام نہ ٹھہراؤ۔ لیکن سر سید نے تو کتاب و سنت کے خلاف سود کو غریبوں کے لیے حلال اور امیروں کے لیے حرام ٹھہرا دیا ہے۔

فافھموا و تدبروا وتفکروا یاولی الالباب۔ حلال و حرام تو وہی ہوسکتا ہے جسے خدا تعالےٰ نے حلال یا حرام کیا ہو۔ اگر کوئی شخص کمثلہ سیّد ملقب بہ خان بہادر کے محض اپنی رائے فاسدہ سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے تو خدا تعالےٰ وحدہ لاشریک لہ پر عظیم افترا و بہتان باندھتا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کو انتباہ و ہدایت کی گئی ہے کہ یہ شیوہ کفار ہے جس کی تفصیل سورہ الانعام میں موجود ہے۔ اس آیت کے تحت امام ابن کثیرؒ بھی جوں کے توں خامہ فرسا ہیں۔ اللہ تعالےٰ کافروں کے رویہ سے مسلمانوں کو روک رہا ہے کہ جس طرح انہوں نے از خود اپنی سمجھ سے حلّت و حرمت قائم کرلی ہے تم یہ نہ کرو۔

من شاء فلینظر فیھا۔

زیر بحث آیت میں لِمَا تَصِفُ میں ما مصدر یہ ہے یعنی تم جھوٹ موٹ

اپنی زبان سے حلال حرام نہ گھڑ لو۔ ایسے لوگ دنیا کی فلاح اور آخرت میں عذاب کی نجات۔ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں اگر چند روزہ فائدہ اٹھا بھی لیں تو کیا۔ لیکن مرتے ہی المناک عذابوں کا لقمہ بن جائیں گے۔

فاعتبروا یاولی الابصار

وحی کے معنی اور اسکے انواع واقسام

سارے دین اسلام کی پاکیزہ عمارت کی پاکیزہ بنیاد اس پر قائم ہوتی ہے۔ کہ خدا کے پیغمبران عظام علیہم السلام کو وحی کے ذریعہ ہی سے احکام ملتے رہے ہیں اور پیغمبر آخر الزمان سعادت نشان صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن حکیم بذریعہ وحی ہی موہوب ہوا ہے۔ اور آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ آپکو اللہ کی طرف سے وحی ہی ہوتا رہا ہے۔

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی	اور نہ وہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے
اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی۔	یہ تو تمام تر وحی ہے جو اس پر آتی ہے۔
(النجم ۳-۴)	

یعنی دین اسلام کے باب میں جو کچھ آپکے منہ مبارک سے نکلتا ہے وہ کسی خواہش سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی قوت وجلال کے مظہر اتم۔ جلال وجمال الٰہی کے مظہر اتم۔ حسن وجمال کے پیکر اور اس خالق حقیقی کی خالقیت اور اس صُناعِ کبیر وبے نظیر کی صناعت کا کرشمہ ناموس اکبر حضرت جبریل امین علیہ السلام اللہ کی طرف سے جو وحی لاتے تھے آپ اسی کو بیان فرماتے تھے۔ یہاں قرآن کریم نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کام تو کیا، آپکے دہن مبارک سے ایک حرف بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو، بلکہ دین اسلام کے باب میں آپ جو کچھ بھی ارشاد فرماتے وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی متلوٌّ کو قرآن اور وحی غیر متلوٌّ کو حدیث کہا جاتا ہے

اللہ تعالےٰ غریق رحمت کرے امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بخاری تغمدہ اللہ برحمتہ۔

ولد ۱۳ شوال ۱۹۴ھ توفی یکم شوال ۲۵۶ھ کو جنہوں نے اللہ کی حمد و ثنا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام کا باب قائم کرنے کے بجائے اپنی جامع بخاری شریف میں پہلا باب ہی کتاب الوحی کا قائم کر کے اس بنیادی مسئلہ کو حل کر دیا ہے کہ خدا کے آخری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات۔۔۔ پر اسی زہے قسمت کا ایمان معتبر ہو گا کہ جس کا وحی پر ایمان کامل ہے اور جس کا نظام وحی پر ایمان نہیں اس کا احکامات سنیہ اور دین اسلام پر بھی کوئی ایمان نہیں ہے۔ جو وحی لانے والے فرشتہ پر یہ ایمان نہیں رکھتا کہ وہ خدا تعالےٰ کی ایک غیر مرئی نادیدہ مخلوق مجسم و متحیز موجود ہے تو اسکا خدا تعالےٰ اور اسکے پیغمبر آخر الزمان پر بھی کوئی ایمان نہیں۔ مقامات و مراتب و کیفیات وحی کو اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب، قرآن حکیم میں اور اس کی شرح حدیث میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے توضیح کے ساتھ اجلیٰ واتمّ طور پر فرمایا ہے۔ کما سیاتی۔ وہ ایک طریقہ و ذریعہ اور فرشتہ ہے جو خدا تعالےٰ کے حکم و ارادہ سے اسکے احکامات لیکر اسکے رسولوں کے پاس آتا رہا ہے۔ قرآن و حدیث میں وحی اور فرشتوں کی مخلوق و موجود ہونے کی کیفیات کو صراحت وضاحت سے بیان فرمایا ہے مفسرین کرام اور شارحین عظام نے اسے اور عام فہم کر کے بیان کیا ہے۔ فرشتوں اور جنات کی مخلوق کے موجود و متحیز ہونے پر نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام نے واشگاف الفاظ میں گواہی دی ہے۔ احادیث میں یہ بھی موجود ہے کہ جبرئیل آمین کو نبی علیہ السلام نے اصلی شکل میں دو بار دیکھا ہے اور کئی صحابہ فخام نے جبرئیل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ نبوت میں بیٹھے ہوئے سوالات کرتے اور خود ہی جواب دیتے ہوئے دیکھا ہے اتنی واضح تصریح و تشریح کے بعد

کوئی شقی القلب ہی فرشتوں اور جنات کی مخلوق کے موجود ہونے سے انکار کر سکتا ہے۔
سر سید ملقب بہ خان بہادر صاحب نے خداوند قدوس کی غیر محدود قوت تخلیق کو محدود سمجھ کر جنت و دوزخ۔ ملائکہ وجنات کی مخلوق کے موجود ہونے کا انکار کیا ہے حال آنکہ اللہ تعالےٰ نے ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا ہے۔
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط۔ الشوریٰ ۴۹۔ پیدا کر دیتا جس کو چاہتا ہے اس فرمان باری نے اس بات کو اور صاف کر دیا ہے کہ خداوند قدوس کی قوتِ تخلیق غیر محدود ہے وہ اپنی بے انتہا حکمتوں اور بے شمار مصلحتوں کے پیش نظر جب اور جس طرح اور جو چاہے پیدا کرے۔
اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ بیشک وہ عالی شان ہے حکمت والا ہے یعنی وہ حکیم مطلق بھی ہے اس لیے اس نے اپنے بندوں کے مصالح پر نظر کر کے انی ہمکلامی کے تین طریقے نکال دیئے ہیں۔ جو عنقریب آگے آرہے ہیں۔
اللہ رب العزت کا یہ ارشاد دل کی لوح پر کندہ کرنے کے قابل ہے کہ۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج - ۷۴)

اللہ کی قدر نہیں سمجھتے جیسی اللہ کی قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست

ترجمہ شیخ الہندؒ۔

انہوں نے اللہ کی کچھ بھی قدر نہ کی بے شک اللہ زور آور اور غالب ہے۔

ترجمہ:۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ

انہوں نے اللہ کے مرتبہ کے مطابق اس کی قدر جانی ہی نہیں اللہ تعالےٰ بڑا ہی زور وقوت والا اور غالب و زبردست ہے۔

ترجمہ:۔ مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ۔

اس آیت نے صاف واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ بے انداز قوت رکھنے والا ہے اسکے لیے جنوں اور فرشتوں جیسی کوئی غیر مرئی نادیدہ مخلوق پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں کفار نے عاجزوں اور کمزوروں کو خدا کا لقب دیکر اور انکو اپنا حاجت روا مشکلکشا مان کر ثابت کیا کہ ان کے ہاں اللہ کی جلالت قدرت اور علوّ شان کی کوئی قدر نہیں اسی طرح سر سیّد خان بہادر صاحب نے فرشتوں اور جنوں کی مخلوق کے موجود ہونے اور جنت و دوزخ اور خوارق عادات کا انکار کر کے خود ثابت کر دیا ہے کہ انکے ہاں بھی اللہ تعالےٰ جلّ شانہ کی غیر محدود قدرت تخلیق کی کوئی قدر اور وقعت نہیں۔ العیاذ باللہ۔

وحی کے معانی | اَلْوَحْیُ۔ کے اصل معنی اشارہ سریعہ کے ہیں۔ ۱۔لکھا ہوا ۲۔ پیغام ۳۔ آواز ۴۔جلد کرنا ۵۔بہت ہی جلدی ۶۔وحی کے معنی سرعت کے بھی ہیں بایں وجہ تیز رفتار معاملہ کو۔ اَمْرٌ وَحِیٌّ کہا جاتا ہے ۷۔چپکے سے گفتگو کرنا۔ ۸۔ دوسروں سے پوشیدہ بات کرنا۔ ۹۔ جلدی سے ذبح کرنا۔ ۱۰۔ دل میں ڈالنا ۱۱۔خوف زدہ ہونا ۱۲ پکارنا ۱۳۔ دریافت کرنا ۱۴۔آگ ۱۵۔ بڑا سردار ۱۶۔ روح ۱۷۔ فرشتہ ۱۸۔ کلمہ الٰہیہ کو بھی شریعت میں وحی کہا جاتا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو القاء کیا جاتا ہے ۱۹۔ امر یعنی فرشتہ کے ذریعہ حکم کرنا ۲۰۔خواب ۲۱۔الہام کرنا ۲۲۔ وَحَیَ کی ایک لغت وَحیٰ بھی ہے اشارہ کرنا دَحیٰ الیہ کلامًا چپکے سے گفتگو کرنا۔ دوسروں سے پوشیدہ بات کرنا۔ وحاء جلدی کرنا۔ خوف زدہ ہونا الوحاء الوحاء۔ یعنی الاسرع فیمدونها و یقصرونها۔

(لسان العرب صہ ۳۸۲ ج ۱۵)

الایحاء البکاء - یقال فلان یوحی اباہ - ای یبکیہ
پتھر پر لکھنا اور اس پر نقش چھوڑنا۔ - الوحی النار - قال ثعلب -
قلت لابن الاعرابی ما الوحی؟ فقال الملك، فقلت و لم
سمی الملك -
وحی؟ فقال الوحی النار فکانہ مثل النار ینفع و
یضرّ والوحی السیّد من الرجال - انظر، لسان العرب
(ص ۳۸۱ ج ۱۵ - ص ۳۸۰ ج ۱۵)

الوحی: الاشارۃ والکتابۃ والرسالۃ والالہام والکلام
الخفیّ و کل ما القیتہ الی غیرك - یقال وحیتُ الیہ
الکلام و اوحیتُ الخ (لسان العرب ص ۳۷۹ ج ۱۵)

واصل الوحی فی اللغۃ کلھا اعلام فی خفاء ولذلك"
صار الالہام یسمی وحیًا والکتابۃ تسمی وحیًا الخ.
(لسان العرب ص ۳۸۱ ج ۱۵)

قرآن حکیم میں جہاں جہاں لفظ وحی آیا ہے انہی مذکورہ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اقسام وحی

اللہ تعالےٰ تمام حکیموں کا خالق و رازق حقیقی حکیم مطلق ہے اس لیے اس نے اپنی حکمت کاملہ سے اپنے بندوں کے مصالحہ پر نظر کر کے اپنی ہمکلامی کے تین طریقے نکال دیئے ہیں کیونکہ وحی کی بالمشافہ و بالمواجہ آمد کو بغیر پیغمبرؐ کے اور کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

لے نبی برداشت کرتے رہے ہیں۔ نزول وحی کے وقت سخت سردی میں بھی آپکو پسینہ آجاتا تھا اگر آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو نزول وحی سے اسکی کمر بھی دوہری ہو کر رہ جاتی اور مشکل سے چلتی۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۔ (الشوریٰ ۵۱)	اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے یا پردے کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا (فرشتہ) پھر پہنچا دے اسکے حکم سے جو وہ چاہے تحقیق وہ سب سے اوپر ہے حکمت والا۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے وحی کی تین انواع بیان فرمائی ہیں۔ یہ اس لیے کہ عام قوائے بشریہ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ حق تعالےٰ سے براہ راست عزت ہمکلامی حاصل کر سکے۔ اس لئے بندوں کے لیے اللہ نے تین طریقے رائج فرمائے۔

اولاً۔ بطریق وحی قلب میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے جس میں خدا کی وحی ہونے میں کوئی شک و ریب نہیں رہتا۔

ثانیاً۔ یا پردہ کے پیچھے سے۔ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ ارشاد ہے

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ ۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ	اور جب موسیٰؑ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور انکے رب نے اُن سے (پردے کے پیچھے سے) باتیں کیں تو (فرط اشتیاق سے مرعوب ہو کر موسیٰؑ نے) عرض کیا کہ اے میرے رب مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن تو پہاڑ کی طرف دیکھتا رہ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تو مجھے دیکھ سکے گا

دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ج الخ (الاعراف ۱۴۳) | پھر جب اسکے رب نے پہاڑ کی طرف تجلی کی تو اسکو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

القصص. طٰہٰ ۹. وما بعد

اللہ تعالےٰ نے کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں موسیٰ علیہ السلام کو شرف مکالمہ بخشا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو بلا واسطہ پردے کے پیچھے سے کلام الٰہی سننے کی بے پایاں لذت حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی درخواست کرنے لگے۔ اور عالم اشتیاق میں بے ساختہ درخواست کر دی کہ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ۔ اے پروردگار میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اٹھا دیجئے۔ اور وجہ انور بے حجاب سامنے کر دیجئے کہ میں ایک نظر دیکھ سکوں۔

ارشاد ہوا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے، ہاں تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ ہم اپنے جمال و جلال کی ایک ذرا سی جھلک اس پر ڈالتے ہیں اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اسکو برداشت کر سکی تو پھر ممکن ہے کہ تم بھی اسکو برداشت کر سکو۔ پھر اللہ نے اپنے جلال و جمال کی ذرا سی ایک جھلک پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور اسے دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے افاقہ ہوا تو آپ نے توبہ کی اور معافی مانگ لی۔

ثالثاً۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ سے وحی بھیج دی جاتی ہے وہ حکیم مطلق بھی ہے اس لیے اس نے اپنے بندوں کے مصالح پر نظر کر کے اپنی ہمکلامی کے یہ تین طریقے نکال دیئے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی جوں کے توں ارقام

فرماتے ہیں کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اسکے سامنے ہوکر مشافہتہً کلام فرمائے اور وہ تحمل کرسکے۔ اسی لیے کسی بشر سے اسکے ہمکلام ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

الف:۔ بلاواسطہ پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہوسکیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء (معراج کی رات) میں پیش آیا۔

ب:۔ بواسطہ فرشتہ کے حق تعالےٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہوکر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ براہ راست نبی کے قلب (مبارک) پر نزول کرے اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ کا اور صورت کا ہوتا ہو۔ حواس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے۔ میرے خیال میں یہ صورت ہے جسکو (ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی حدیث میں یاتینی فی مثل صلصلۃ الجرس۔ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور صحیح بخاری کے ابواب بدء الخلق میں وحی کی اس صورت میں بھی اتیان ملک کی تصریح موجود ہے۔ اسی صورت کو حدیث میں وَھُوَ اَشَدُّہٗ عَلَیَّ[۱] (وہ مجھ پر بہت سخت گزرتی ہے) فرمایا اور شاید وحی قرآنی بکثرت اسی صورت میں آتی ہو جیسا کہ۔ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ (الشعراء ۱۹۳-۱۹۴) اور فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ

---

[۱] نبی علیہ السلام نے فرمایا مجھ پر وحی کبھی تو ایسے آتی ہے جیسے گھنٹے کی جھنکار اور یہ وحی مجھ پر بہت سخت گزرتی ہے۔ بخاری کتاب الوحی۔

اللّٰہِ - میں لفظ قَلْبِکَ - سے اشارہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا، پیغمبر کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا جیسے ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں اس لیے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ - وَحْیًا سے تعبیر کیا۔ کیونکہ لغت میں وَحْی کا لفظ - اخفاء اور اشارہ سریعہ پر دلالت کرتا ہے۔ (کما مر) لفظ وحی کے معنی سمجھنے میں سرسید خاں بہادر کو سخت ٹھوکر لگی ہے۔

ج: - تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا کا کلام و پیغام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے چنانچہ حضرت جبرئیلؑ ایک دو مرتبہ اپنی اصلی شکل میں حضورؐ کے پاس آئے اور اکثر مرتبہ حضرت دِحیہ کلبیؓ کی صورت میں آتے تھے اور کبھی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لائے ہیں۔ اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان اکی آواز سنتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے۔ (ام المومنین) عائشہ صدیقہ کی حدیث میں جو دو قسمیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے یہ دوسری صورت ہے اور میرے خیال میں اسی کو آیۂ ہذا میں اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ - سے تعبیر کیا ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب

باقی حجاب والی صورت چونکہ بالکل نادر بلکہ اَنْدَر تھی اس لیے (ام المومنین حضرت) عائشہؓ کی حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ اسکا عُلُوّ مانع ہے کہ بے حجاب کلام کرے اور حکمت مقتضی ہے کہ بعض صورتیں ہمکلامی کی اختیار کرے۔

رابعًا - القاء - الہام - کے معنی ہیں۔ توفیق دینا۔ وحی کرنا۔ سکھلا:

نیکی کا دل میں ڈالنا۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں غیر انبیاء یا شہد کی مکھی سے وحی منسوب کیا گیا ہے وہاں یہی القاء والہام یعنی نیک بات کا دل میں ڈالنا مراد ہے۔ مثلاً

وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ ...الخ (القصص - ۷)	یعنی الہام والقاء کیا ہم نے موسیٰ کی ماں کو کہا کہ

جب تمہیں کوئی خطرہ پیش آئے تو بلا خوف و تردد بیٹے کو دریا میں ڈال دینا۔ ہم نے اسے پیغمبر بنانا ہے اس لیے وہ تیرا ہی دودھ پی کر اس منصب جلیلہ کو سنبھالے گا

قال: الوحی ھٰھُنا اِلقاء اللہ فی قلبھا۔ (لسان العرب ص ۳۸۰ ج ۱۵)	یہاں وحی سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں مذکورہ بات ڈال دینا ہے اسی آیت میں آگے ہے۔
اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَ جَاعِلُوۡہُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ۔ (القصص - ۷)	ہم پھر پہنچا دیں گے اسکو تیری طرف اور کریں گے اسکو رسولوں میں سے۔
و قیل ان معنی الوحی ھٰھُنا الالہام (لسان العرب ص ۳۸۱ ج ۱۵)	یہاں بھی وحی سے مراد الہام ہے
وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ الخ النحل - ۶۸	اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ پہاڑوں اور درختوں میں (شہد کے لیے) گھر بنا۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ (المائدہ – ۱۱۱)

اور جب حواریوں کے دل میں ڈال دیا کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر۔

وَ اَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا الخ (حٰمٓ السجدۃ – ۱۲)

اور اس نے ہر ایک آسمان میں اسکا کام القار کیا۔

ترجمہ حضرت لاہوریؒ

اور ہر آسمان میں اسکے مناسب حکم بھیج دیا۔ ماجدی

ہر آسمان میں وحی کا بھیجنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہاں آبادی ہے۔

یہ تکوینی احکام اُن آسمانوں کے فرشتوں کو ملے جو مخلوق وہاں آباد ہو اسکے مناسب یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں کون کون سی مخلوق بستی ہے اور انکا رنگ، ڈھنگ کیا ہے۔ لیکن کتاب وسنت سے ثابت ہے کہ آسمانوں میں آبادی ضرور ہے زمین میں جب ہزار ہا اور طرح طرح کی مخلوق ہے تو پھر اتنے بڑے آسمان کب خالی رہ سکتے ہیں۔

قرآن حکیم کی کئی آیاتوں سے ترشح ہوتا ہے کہ آسمانوں اور سیاروں میں بھی وہاں کے موسم کے مطابق مخلوق آباد ہے اور احادیث کے مذکورہ میں تو اس کی اور بھی تشریح و تفسیر موجود ہے۔ کما قال ابن عباسؓ

ارشاد ربانی ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ

اور من جملہ اس کی نشانیوں کے پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اس نے زمین

وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ (الشوریٰ - ۲۹)

آسمان میں پھیلار کھے ہیں اور وہ ان کے جمع کر لینے پر بھی جب چاہے قادر ہے۔

ترجمہ حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ۔

من جملہ اس کی نشانیوں کے پیدا کرنا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان جانداروں کا جو اُس نے دونوں جگہ پھیلار کھے ہیں اور وہ انکے جمع کر لینے پر جب چاہے قادر ہے۔ حضرت دریابادی ؒ۔

یہ آیت بھی اس بات کی مشیر ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی کوئی مخلوق موجود ہے اور اس آسمانی اور زمینی مخلوق کو اللہ جب چاہے اکٹھا کرنے پر قادر ہے آغاز قیامت میں تو ارضی و آسمانی مخلوقات کا اکٹھا ہونا ظاہر ہی ہے لیکن کیا عجیب کہ اس سے پہلے بھی اللہ انکو اکٹھا کر دے جیسا کہ ماہرین فلکیات ابھی وثوق سے دعویٰ کر رہے ہیں کہ مریخ سیارہ میں مخلوق موجود ہے اور وہاں زندگی کے آثار ولوازمات بھی موجود ہیں اور وہاں پہنچنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں یہ تو بار ہا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ جہاں ہمیشہ آگ جلتی رہے وہاں ایک کیڑا بھی موجود رہتا ہے جس کی زندگی کا انحصار ہی آگ پر ہے اور برف کے نیچے بھی ایک کیڑا چلتا رہتا ہے جب اسکے اوپر سے برف ہٹادی جائے تو گرم ہوا لگتے ہی مر جاتا ہے اسی مناسبت سے آسمانوں اور سیاروں میں بھی مخلوق کا موجود رکھنا خدائے واحد کی قدرت کاملہ کے سامنے کوئی مشکل نہیں دیکھئے ایک ہڈرا۔ یا ہائیڈرا نامی ایک جانور ہے جسکے پچاس سر ہوتے ہیں وہ کاٹنے سے نہیں مرتا بلکہ اسکے جتنے ٹکڑے کرد گے اتنے ہی ہڈرے HYDRA اور بن جائیں گے اسے کاٹ کر چھوڑ دو پھر چند ایام میں اسکے ہر سر سے ایک مکمل

ہیڈرا بن کر چلنا پھرنا شروع کر دے گا۔ علم فلکیات و ہیئت کے ماہرین نے آج جدید ترین آلات سے بیسیوں بڑے بڑے سیاروں کا سراغ لگا لیا ہے ان میں ایک پلوٹو PLUTO ہے جسے قدیم زمانہ میں رومن۔ اٹلی کے لوگ خدا مانتے تھے۔ پلوٹو سورج سے تین ارب اسی لاکھ امیال بلندی پر دور برف کا سیارہ ہے ایسے ہی برف کے پہاڑوں یعنی سیاروں کے متعلق قرآن کریم نے ماہرین فلکیات سے بہت پہلے یوں نشان دہی کردی تھی کہ۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ۔ الخ (النور - ۴۳)

اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے۔ ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ

اور آسمانوں سے جو ان میں اولوں کے پہاڑ ہیں اولے برساتا ہے۔ حضرت لاہوری

اسی طرح جب دنیا میں سب سے عمدہ سواری اونٹ، خچر، گھوڑے اور گدھے کی سمجھی جاتی تھی قرآن نے اس وقت کہدیا تھا کہ ہم اس دور کی ان عمدہ سواریوں سے بہتر ایسی سواریاں پیدا کریں گے جو تمہارے اذہان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں اور آج ہوائی جہاز، گاڑیاں، کاریں ریل وغیرہ کی ایجاد نے خدا کے اس تخلیقی وعدہ کو پورا کر دیا ہے لیکن قرآن حکیم آج بھی وہی اعلان کر رہا ہے کہ ہم آئندہ ایسی ایسی سواریاں پیدا کرنے والے ہیں جن کی تمہیں ابھی خبر بھی نہیں۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔ (النحل — ۸)

اور اسی نے پیدا کیے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے بھی اور پیدا کرتا رہتا ہے ایسی چیزیں جن کی تم کو خبر نہیں۔

اس آیت میں قیامت تک انسان کی ایجاد کردہ سواریاں آگئیں جو جو

سواریاں آج موجود ہیں ان کے علاوہ حق سبحانہ وتعالےٰ وہ وہ سواریاں پیدا کرتا رہے گا جنکی موجودہ ماہرین کو خبر تک نہیں۔ قرآن حکیم آج بھی کہہ رہا ہے کہ یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اللہ تعالےٰ انسانی انتفاع اور زینت کے لیے ایسی ایسی سواریاں اور اشیاء پیدا کرتا رہتا ہے اور کریگا کہ جن کی کسی کو فی الحال کوئی خبر نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے علامہ طنطاوی رح کی تفسیر۔ عود الی المقصود۔

یہ بھی شریعت اسلامیہ کے مسلمات میں سے ہے کہ۔ شیطان باغی انسان کی رگ و پے میں دوران خون کی طرح رواں دواں رہتا ہے۔ اس لیے وہ نیکی سے عاری قلب میں برائی کا القاء کرتا رہتا ہے اس شیطانی القاء کو بھی جسے وسوسہ بھی کہا جاتا ہے۔ وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓئِہِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ الخ (الانعام — ۱۲۱)

اور بیشک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں۔

ترجمہ حضرت لاہوری رح

اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو پٹی پڑھا رہے ہیں تاکہ وہ تم سے حجت کریں۔ دریابادی رح

مشرکین اپنے شیطانوں سے تعلیم پا کر مسلمانوں کے سامنے اگر طرح طرح کی بحثیں اور حجتیں نکالا کرتے تھے مثلاً ایک چلتا ہوا فقرہ یہ تھا کہ یہ کیا کہ انسان مار ڈالے جب تو جانور حلال ہو جاتے لیکن جس جانور کو خدا مارے یعنی وہ اپنے آپ مر جائے (یا غیر شرعی طریقہ سے مار دیا جائے) تو وہ حرام۔ ہزارہا سیدھے سادھے بھولے بھالے مسلمان پہلے بھی اس طرح کے لفظی دھوکوں اور مغالطوں میں آجاتے تھے۔ اور آج بھی ایسے ہی ظاہر فریب اور

دل خوش فقروں میں برابر آتے رہتے ہیں. سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی مغالطہ و لفظی دھوکا پر ہے.

جھوٹی نبوت کے دعوے داروں کی دجلی وحی کے دعویدار شروع ہی سے چلے آرہے ہیں. رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں نزول وحی کے طویل عرصہ کے زمانے میں کچھ ایسے بھی بدبخت دجاجلہ تھے کہ جنہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہمارے پاس بھی وحی آتی ہے کمثلہ مسیلمہ کذاب

اس آیت کریمہ نے تمام قدیم وجدید جھوٹے مدعیانِ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے دجل وفریب کے پول کھول کر رکھ دیئے ہیں. وہ لوگ بھی اس آیت کی زد میں آتے ہیں جو اپنی بے ثمر عقل ورائے کو خدائی قانونِ انفع و اصوب والنسب کے مقابلہ میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ ماجدی

تفکروا وتدبروا فافهموا یاولی الابصار۔

وحی کے جھوٹے دعوے داروں کی جعلی نبوت کی نشان دہی!

نبی آخرالزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی قسم کے کسی نبی نے آنا ہوتا تو مسیلمہ کذاب کو جھٹلاتے وقت آپ صاف فرما دیتے کہ تم جھوٹے ہو میرے بعد تو فلاں دور میں فلاں نبی ہوگا لیکن اسکے بجائے خدا کے آخری رسول نے صاف فرما دیا کہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی امت۔ ہاں میرے بعد کذاب ہونگے جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے ایسے ہی خادعین کی بابت ارشاد ہے.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ (الانعام ۹۴)

ہے جو اللہ پر جھوٹ تہمت گڑھ لے یا کہنے لگے کہ میرے اوپر وحی آتی ہے درآنحالیکہ اس پر کچھ بھی وحی نہیں آتی

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مسلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک جو بھی مسلمہ کذاب کا سا دعوئے نبوت کریگا وہی اس آیت کی رو سے دجال وکذاب ہو گا۔

روح کسے کہتے ہیں

قرآن حکیم کو بھی روح کہا گیا ہے اور جبریل امین علیہ السلام کو بھی رُوح کہا گیا ہے اور وحی کو بھی روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وحی کے معانی پر غور کرنے سے آسانی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ روح کیا چیز ہے ارشاد ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (النحل ۲)

فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے نازل کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر وہ چاہے۔

درحقیقت رُوح کا علم اللہ کے بغیر نہ کسی کے حدود فہم کے اندر ہے اور نہ ہماری ضروریات دینی وعلمی میں داخل ہے۔ اس لیے اسکا علم کسی کو عطا بھی نہیں ہوا۔ قرآن نے روح پرستی پر ایک ضرب لگا کر بتا دیا ہے کہ یہ ایک پروردگار کا حکم ہے مدینہ کے یہود اور کفار مکہ نے امتحان کے طور پر استفسار کیا تھا کہ روح کیا ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ

اور آپ سے یہ روح کی بابت پوچھتے

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ (بنی اسرائیل - ۸۵)

ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہی ہے - اور تمہیں علم تو تھوڑا ہی دیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ارقام فرماتے ہیں کہ ان ہی مختصر الفاظ کی تہہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہِ طلب و تحقیق میں چراغ ہدایت کا کام دیتے ہیں۔

احقر کے نزدیک روح دراصل خدا کے حکم اور لفظ کُنْ فَیَکُوْن کی ایک عجیب و غریب تفسیر ہے روح جسم میں مثل ہوا کے جاری ہے اور نہایت ہی لطیف ہے۔ روح نفس ہے لیکن ایک وجہ سے نہ کہ تمام وجوہ سے۔ اس کی حقیقت کا پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ علمار کرام نے اس پر بڑی طبع آزمائی کی ہے اور اس پر بڑی بڑی کتابیں مستقل لکھی ہیں ان میں سب سے بہتر کتاب علامہ حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ کی۔ کتاب الروح ہے۔ تحقیق کرنے والے اہل علم علمار اسکی طرف رجوع فرمائیں۔ یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہے جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی (نادیدہ) طریق پر بطور ایک بھید کے آتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ الخ (المؤمن - ۱۵)

اتارتا ہے بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے۔

یہاں بھی روح سے مراد وحی ہے۔

قرآن کریم کو بھی روح اس لیے کہا گیا ہے کہ جسمانی روح کی طرح وہ روحانی

روح ہے اور نبی علیہ السلام کی طرف وحی کی وساطت سے آیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ (الشوریٰ - ۵۲) — اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا۔

یہاں روح سے مراد قرآن حکیم اور وحی ہے والمراد به القرآن و سماه روحًا لانه يفيد الحياة من موت الجهل اوالكفر انظر — تفسیر کبیر لعلامہ رازیؒ كذالك جس طرح ہم سابق انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف وحی نازل کرتے رہے ہیں اسی طرح آپ کی طرف بھی ہم وحی نازل کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے کہ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ....الخ (النساء - ۱۶۳) ہم نے وحی بھیجی نوح پر اور ان نبیوں پر جو اسکے بعد ہوئے اِلٰى آخِرِهٖ - جان کو بھی روح کہا گیا ہے کیونکہ جان بھی وحی کی طرح غیر مرئی نادیدہ اور لطیف و پاکیزہ ہے۔ قرآن یا وحی الٰہی کو روح سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام وابدان کو نفخ روح سے ظاہری حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح جو قلوب واذہان جہل وضلالت کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے وہ وحی الٰہی کی روح پاکر زندہ ہو گئے اور زندہ ہو جاتے ہیں۔ ماخوذ

روح کے معانی

روح کے معانی، جبرئیلؑ۔ قرآن حکیم۔ جان۔ رحمت آسائش۔ فرحت[1]۔ تازگی۔ خنکی۔ خوشبو۔ بادنسیم یعنی نرم

---

[1] والرحة۔ ضِدُّ التعب۔ انظر۔ لسان

اور فرحت افزا رہو۔ امر ربی یعنی اللہ کا حکم۔ زندگی۔ قال الفراء۔ الرُّوح ھو

قال الفراء۔ الرُّوح ھوالذی یعیش بہ الانسان۔	فراء نے کہا روح وہ ہے جس سے آدمی زندہ رہتا ہے۔
لم یخبر اللّٰہ تعالیٰ بہ احداً من خلقہ ولم یعط علمہ العباد۔	اللہ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کی حقیقت کی نہ خبر دی اور نہ بندوں کو اس کا علم ہے۔
الرُّوح خلقٌ کالانس۔ ولیس ھو بالانس	روح بھی انسانوں کی طرح ایک مخلوق ہے اور وہ انسان نہیں۔
قال ابوبکر بن الانباری۔ الرُّوح والنفس واحد۔	ابوبکر بن انباری نے کہا روح اور نفس (سانس) ایک ہی چیز ہے۔

روح۔ الریح۔ نسیم الھواء۔ انھما لغتان۔ وجمع الریح ارواح وارا ویح جمع الجمع۔ قال اللّٰہ تعالیٰ۔ وارسلنا الرِّیاح ۔ و انما الارواح۔ جمع روح۔ و فی الحدیث۔ ھبّت ارواح النّصی الارواح جمع ریح۔ الریح من روح اللّٰہ ای من رحمۃ بعبادہ۔ والرَّوح۔ برد نسیم الریح۔ و منہ قولہ تعالیٰ: و تذھب ریحکم۔ الانفال۔ و فی حدیث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من قتل نفسا معاھدۃ لم یرح رائحۃ الجنّۃ لم یشمّ ریحھا قولہ تعالیٰ فی عیسیٰ۔ وروح منہ ای رحمۃ منہ والرُّوح بالضم، فی کلام العرب: النفخ سمی روحا لانہ ریح یخرج من الرّوح۔ الرّوح انما ھو

النّفس الذی یتنفسہ الانسان۔ و ھو جارٍ فی جمیع الجسد، فاذا خرج لم یتنفس بعد خروجہ۔

قال الزجاج جاء فی التفسیر انّ الرُّوح الوحی او امر النبوۃ و یسمّیٰ القرآن روحًا۔ ابن لاعرابی: الرّوح الفرح والرُّوح، النفس۔ قال ابوالعباس هذا کلہ معناہ الوحی سمّی روحًا لانہ حیاۃ من موت الکفر، فصار بحیاتہ للناس کالرُّوح الذی یحیا بہ جسد الانسان۔ و فی حدیث ضمامٍ انی اعالج من ھذہ الارواح، الارواح ھھنا۔ کنایۃ عن الجن سمّوا ارواحا لکونھم لا یرون فھم بمنزلۃ الارواح۔

(انظر۔ لسان ص ۴۵۵ ج ۱ الی ص ۴۶۷ ج ۱)

سر سیدؒ حضرت جبریلؑ کے بھی منکر تھے

سر سید لکھتے ہیں

پس وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بسبب اسی فطرت نبوت کے مبدءِ فیاض نے نقش کیا ہے وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہیں ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والی کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ مگر اپنے آپ کے سوا نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا.... اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی ملکۂ نبوت کا جو خدا نے انبیاء میں پیدا کیا ہے جبرئیل نام ہے (تفسیر القرآن ص ۲۵ ج ۱)

خدا اور پیغمبر میں بجز اس ملکۂ نبوت کے جس کو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبرئیل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ تفسیر القرآن ص ۲۴ ج ۱

نبوت درحقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیاء میں بمقتضائے انکی فطرت کے مثل دیگر قویٰ انسانی کے ہوتی ہے جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے (تفسیر القرآن ص ۲۳ ج ۱)

اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام انبیا علیہم السلام مؤید بتائید روح القدس ہیں اگر بحث ہوسکتی ہے تو روح القدس پر ہوسکتی ہے۔ تمام علماء اسلام اس کو ایک مخلوق جداگانہ خارج از خلقت انبیاء قرار دیکر اس کو بطور ایلچی کے خداوندی میں واسطہ قرار دیتے ہیں اور جبرئیل اسکا نام بتاتے ہیں ہم بھی جبرئیل اور روح القدس کو شے واحد تجویز کرتے ہیں مگر اسکو خارج از خلقت انبیاء مخلوق جداگانہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ خود انبیاء علیہم السلام کی خلقت میں جو ملکۂ نبوت ہے اور ذریعہ مبداء فیاض سے ان امور کے اقتباس کا ہے جو نبوت یعنی رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں وہی روح القدس ہے اور وہی جبرئیل ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر القرآن ص ۱۵۶ ج ۲ وص ۱۱۸ ج ۱ وص ۱۲۹ ج ۱ وص ۱۲۲ ج ۱ وص ۱۷ ج ۱۔

جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے انکا کوئی اصل وجود نہیں ہوسکتا۔ غرضیکہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہے اور جو مخلوقات میں ہیں۔ وہی ملائک وملائکہ ہیں۔ (تفسیر القرآن ص ۴۲ ج ۱)

اب سید کے مزخرفات کے رد میں اصل حقائق ودقائق کو بنظر امعان ثلج صدر کے ساتھ بغور وفکر ملاحظہ کیجئے۔

جبرئیل کے معنی اور ملائکہ

دو سریانی لفظ ہیں جو جبر اور ایل سے مرکب ہے جبر کے معنی ہیں عبد اور ایل

بمعنی اللہ یعنی عبداللہ، اللہ کا بندہ۔ جبریل کو عربی میں روح الامین۔ روح الاعظم روح الکرم۔ روح القدس کہتے ہیں۔ روح کا نام قرآن حکیم میں کئی بار آیا ہے جبریل ایک فرشتہ کا نام ہے جو پیغمبروں پر اللہ کی وحی لانے پر معمور رہے ہیں۔ انکے پائے کے سردار فرشتے اسرافیل۔ میکائیل اور عزرائیل ہیں انکے تحت کروڑہا اور فرشتے ہیں عزرائیل وہ فرشتہ ہے جو ملک الموت کہلاتا ہے

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ (السجدہ - ۱۱)

آپ فرما دیجئے تمہاری جان موت کا فرشتہ قبض کرتا ہے جو تم پر متعین کردیا گیا ہے

غور کیجئے اگر فرشتوں کا وجود... اور تشخص نہ ہو تو وہ روح کیسے قبض کر سکتے ہیں ہیں۔ ملک الموت خود کہتے ہیں۔

واللّٰہ یا محمّد لو انی اردت ان اقبض روح بعوضۃ ما قدرت علی ذلک حتی یکون اللّٰہ ھو الأمر بقبضھا۔

تفسیر ابن کثیر۔ بحوالہ ابن ابی حاتم

سیدنا عبداللہ بن عباس رض کی ایک روایت ابن کثیر رح میں بحوالہ ابن ابی حاتم مرقوم ہے کہ ایک انصاری کے سرہانے ملک الموت عزرائیل ع کو کھڑا دیکھ کر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ملک الموت میرے صحابہ کے ساتھ نرمی سے پیش آنا۔ ملک الموت نے عرض کیا اے اللہ کے رسول تسکین خاطر کیجئے اور دل میں خوشی محسوس کیجئے کہ واللہ میں ہر ایماندار کے ساتھ نہایت نرمی برتتا ہوں۔ خشکی و تری میں ہر چھوٹے بڑے کچے پکے مکان میں دن میں پانچ بار جاتا ہوں۔ میں ہر چھوٹے بڑے کو خود اس سے زیادہ جانتا ہوں۔ قسم ہے اللہ کی اگر میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادہ سے لینا چاہوں تو نہیں لے سکتا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ

کا حکم نہ ہو جاتے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، عینی شرح بخاری۔ جبریل امین علیہ السلام سابقہ پیغمبران عظام علیہم السلام کی طرح نبی علیہ السلام پر بھی وحی لاتے رہے ہیں۔ ارشاد ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرہ - ۹۷)	آپ فرما دیجئے کہ جو کوئی جبریلؑ کا مخالف ہے تو انہوں نے تو اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔

حضرت دریا بادی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ جبریل اسلامی اصطلاح میں ایک فرشتہ اعظم کا نام ہے۔ انکے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء کرام تک وحی الٰہی کے پہنچانے کی ہے۔ انسان بڑے سے بڑا مقبول انسان بھی بہرحال بشر ہی ہوتا ہے اور جسم خاکی ہی رکھتا ہے اسکے محدود اور کثیف خاکی قوی علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہ راست تجلیاتِ لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کر سکیں۔ اس غرض کے لیے عموماً لطیف الجسم نور کے بنے ہوئے فرشتوں سے سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے۔ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ (البقرہ - ۹۸)	جو کوئی مخالف ہوا اللہ کا یا اسکے فرشتوں کا یا اسکے پیغمبروں کا یا جبریل یا میکائیل کا تو اللہ بھی بالیقین مخالف ہے ایسے کافروں کا۔

اس آیت نے بات صاف کر دی ہے کہ فرشتوں کی مخلوق موجود و متحقق ہے ان پر ایمان نہ لانا کفر ہے۔

اسکے مفہوم میں محض عداوت نہیں۔ فرشتوں کی مخلوق کا انکار۔ فرشتوں کی

مخلوق وموجود ہونے کی بابت پیغمبر علیہ السلام کی خبر صادق کی نافرمانی کرنا۔حق ناشناسی۔ خدا ورسول اور خدا کی مخلوق ملائکہ کو فرشتہ ماننے کی بجائے قویٰ انسانی میں سے ایک قوتِ ملکہ ماننا رب اللہ سے عداوت رکھنے کے مفہوم میں داخل ہے۔میکائیل واسرافیل وعزرائیل بھی جبرائیل کی طرح خدا کے مقرب ترین فرشتوں کے نام ہیں جن کی تفصیل کتب احادیث میں صراحت کے ساتھ موجود ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری۔ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالٰے اور اسکے رسول پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح فرشتوں کی مخلوق پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۔ (النساء — ۱۳۶)

اور جو کوئی اللہ اور اسکے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اسکے رسولوں اور قیامت کے دن سے کفر (انکار) کرتا ہے وہ گمراہی میں بہت دور جا پڑا۔

ومن یکفر بشئ من ذلك۔ (البحر المحیط۔ بیضاوی صـ۲۵۶ ج ا)

اور جو کوئی ان میں سے کسی ایک چیز کا انکار کرے تو اس نے سب کا انکار کیا۔

لان الکفر ببعضہ کفر بکلہ۔ (مدارک التنزیل صـ ج)

ان میں کسی ایک کا انکار کرنا سب کا انکار کرنا ہے۔

اس آیت کریمہ نے بات کو اور صاف کر دیا ہے کہ ان میں سے ہر ہر عقیدہ پر فرداً فرداً ایمان لانا ضروری ہے۔ یعنی اللہ تعالٰے کی وحدانیت اور ملائکہ کے مخلوق وموجود ہونے۔اور اسکی کتابوں کے آسمانی وبرہانی ہونے اور

اس کے رسولوں کا اللہ کے رسول ہونے۔ اور نظام قیامت اور اسکے برپا ہونے پر ایمان لانا لازمی ہے۔ ان میں سے کسی ایک عقیدہ سے انکار کرنا دائرہ اسلام سے خارج کر دینے کے لیے کافی ہے۔ سرسید خان بہادر نے شیطان کے اغوار واضلال سے فرشتوں کی مخلوق وموجود ہونے جنت دوزخ کے مخلوق وموجود ہونے۔ جنات وشیاطین کے مخلوق وموجود ہونے کا انکار کر کے قرآن کریم کی بہت سی آیات بینات اور نبی علیہ السلام کے ارشادات کا انکار کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے اس لیے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریف القرآن المعروف تفسیر القرآن کے شائع ہونے پر علماء ہند نے انکی تکفیر وتفسیق کی تھی جس کی سرسید نے کوئی پرواہ نہیں کی کہ حکومت برطانیہ انکی پشت پر تھی اور انکو زندگی کی تمام سہولتیں اور ہر طرح کا تحفظ مع اکرام حاصل تھا۔ مفسر و محدث حضرت مولانا وحید الزمان وقار جنگ روح اللہ روحہ۔ ولد ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۰ء بلدہ کانپور توفی ۲۵ شعبان ۱۳۳۸ھ موافق ۱۵ مئی ۱۹۲۰ء مدفون وقار آباد حیدر آباد۔ دکن ارقام فرماتے ہیں۔
ایک شخص علی گڑھ میں (سرسید) ظاہر ہوا جس نے بہشت دوزخ فرشتوں سب کا انکار کیا ہے۔ پیغمبروں کے معجزوں کو شعبدہ اور طلسم قرار دیا ہے۔ قرآن کی آیتوں کی ایسی تفسیر کی جو صحابہؓ اور تابعین کے خلاف اھل الحاد اور باطنیوں کے طور پر ہے۔
ایک شخص دہلی میں ہوا (شبلی نعمانی) جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی اور ساری سیرت میں ایک معجزہ کا ذکر نہیں کیا۔
ایک شخص (غلام احمد متنبی) قادیان میں نکلا وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور مہدی موعود۔ اب عیسیٰؑ دنیا میں نہیں آئیں گے جس عیسیٰؑ کا حدیث میں ذکر ہے اس سے مراد میں ہوں۔ کہتا ہے مجھ پر وحی آتی ہے۔

ایک عبداللہ چکڑالوی نکلا ہے وہ کہتا ہے کوئی حدیث قابلِ اعتبار نہیں

بس قرآن ہی سے جو ثابت ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے اس نے ایک نئی

طرز کی نماز نکالی ہے۔

ایک شخص حیدر آباد میں ہے جو کہتا ہے کہ عذاب قبر وغیرہ کوئی چیز نہیں۔

دجال کے متعلق حدیث کی شرح میں ان لوگوں کے نام درج کر کے علامہ مرحوم

ومغفور نے انکو دجاجلہ میں شمار کیا ہے من شاء فلینظر فیہا۔

(تیسیر الباری شرح بخاری صہ ۱۹۶ ج ۱)

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ.

(انفال - ۵۰)

اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔

سر سید کہتے ہیں کہ فرشتوں کی کوئی مخلوق موجود نہیں ہے قوائے انسانی

میں سے ایک قوت کا نام ملائکہ ہے لیکن یہ آیت تو بتا رہی ہے کہ ملائکہ

کی مخلوق موجود ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ

(الانبیاء - ۲۶)

وہ تو بندے ہیں (اللہ کے) جنہیں عزت دی گئی ہے۔

(الزخرف - ۱۹ - الزمر ۷۵)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ عباد، عبد کی جمع ہے اور لفظ عبد روح اور

جسم دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے اس سے یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے

وجود اور شخصیت رکھنے والی مخلوق ہے۔

فافهموا یاولی الابصار۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

(التحریم ـ ۶)

اے ایمان والو اپنے آپکو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر سخت دل قوی ہیکل فرشتے مقرر ہیں وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انہیں حکم دے اور وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

اس آیت سے بھی توضیح کیساتھ یہ بات ثابت ہے کہ فرشتے بھی دوسری مخلوقات کی طرح اللہ کی فرمانبردار مخلوق ہے۔ قصص القرآن صہ ۴۱ ج ۱ پر مرقوم ہے کہ فرشتوں کا تذکرہ قرآن کریم میں چھیاسی آیتوں میں اٹھاسی بار آیا ہے۔ کاتم حقائق قامع حقائق سرسید نے اپنے نظریات شنیعہ وقبیحہ سے مرعوب ہوکر یہ شرر باری وشرر ریزی کرنے میں کوئی تشویر محسوس نہیں کی کہ وہ تحریف قرآن کرکے کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ سر سید خان بہادر رقمطراز ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چار[1] دانت پتھر کے صدمہ سے ٹوٹ گئے۔ تفسیر القرآن صہ ۲۴ ج ۴

حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ غزوہ احد میں نبی علیہ السلام کا سامنے کا ایک دانت مبارک شہید ہوا تھا چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں۔

وان الرباعیتہ التی کسرت | نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا سامنے

---

[1] والرباعیۃ مثل الثمانیۃ احدی الاسنان الاربع التی تلی الثنایا بین الثنیۃ والناب تکون للانسان ۔ لسان العرب صہ ۱۰۸ ج ۸

لما علیه السلام   کا نچلا داہنا دانت مبارک شہید[1]
هی الیمنی السفلی   ہوا تھا۔

(السیرت النبویہ صد ۵۸-۵۹ ج ۳) لعلامہ ابن کثیرؒ

یہ غلطی سر سید سے اس لیے ہوئی کہ انہوں نے لفظ رباعیہ کو اربع سمجھ لیا سید کا یہ ڈھول اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ قرآن و حدیث اور مذہبی علوم سے کورے تھے عربی محاورات اور عربی لغت سے بھی ناواقف خواندگان کرام! بدیدۂ غور و فہم و بچشم غور و فکر عقیل سلیم اور فہم مستقیم سے جو کتاب آپکے ہاتھ میں ہے۔ پڑھیئے تاکہ سید پر پڑے ہوئے دبیز پردے اٹھتے چلے جائیں اور آپکو سر سید کی اصلی شکل نظر آجائے۔ اس فریب خوردہ خادع نے لوگوں کو بڑا دھوکا دیکر اپنا گرویدہ بنایا ہے ایک طرف کہتا ہے قرآن کریم خُدا کی سچی کتاب ہے دوسری طرف اس کی ساری تعلیمات و احکامات کو معاذ اللہ جھوٹا قرار دیا ہے۔ نبی علیہ السلام کو سچا نبی بھی کہتا ہے ساتھ ہی آپکے فرامین کو غیر معتبر بھی کہتا جاتا ہے اور آپ کی پیغمبرانہ نظام زندگی کا انکار بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے احقر نے اس کی ہزلیات و مزخرفات کا ایک حصہ آپکے سامنے لاکر رکھ دیا ہے تاکہ آپکے لیے اس کی کنہہ تک پہنچنا آسان ہو جائے۔ سر سید اگر اپنے کہنے کے مطابق پیغمبر خدا اور قرآن خدا کو اور دین اسلام کو سچا مانتا ہوتا تو دین اسلام پر الحاد کی شرباری اور شرر ریزی کیوں کرتا۔ یہ صرف مسلمانوں سے اپنے تحفظ کی خاطر سچائی کا ظاہری اقرار کیا ہے۔ حقیقتہً سر سید پر کسی شاعر کا یہ شعر خوب صادق آتا ہے کہ ؎

ہو نہ دامن گیر کوئی جان کر قاتل تجھے   تو بھی روتا چل جنازے کو ہمارے دیکھ کر

---

[1] روایت میں ہے کہ یہ دانت دوبارہ اُگ آیا تھا۔

کافروں کی جانیں فرشتے ذلت سے نکالتے ہیں

کافروں کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کفر و شرک میں مبتلا کافروں کی جان کنی میں بڑی سختی ہو گی۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ اِلٰی آخِرِہٖ (النحل ۔ ۲۸)

کافروں کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

پرہیزگاروں کی جانیں فرشتے عزت و اکرام سے نکالتے ہیں

مطیع و منقاد مسلمانوں کی جانیں فرشتے اعزاز و اکرام سے قبض کرتے ہیں ارشاد ہے۔ اہل تقویٰ کا وہ گھر واقعی اچھا ہے ہمیشہ جنت کے باغوں میں رہیں گے جنکے نیچے نہریں جاری ہونگی انکے لیے وہاں ہر وہ چیز ہو گی جو وہ چاہیں گے اسی طرح اہل تقویٰ کو اللہ دیتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ لا یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (النحل ۔ ۳۲)

پرہیزگار لوگوں کی رُوحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاک ہوتے ہیں فرشتے کہتے جاتے ہیں تم پر سلام ہو تم جنّت میں داخل ہو جاؤ اپنے (نیک) اعمال کے سبب سے

فرشتوں کا سَلامٌ عَلَیْكُمْ الخ کہتے جانا مومنین کی تعظیم و اکرام کے لیے ہو گا۔

سرسید خاں: بادر لکھتے ہیں کہ۔ قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ

مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا۔ تفسیر القرآن صہ ۴۲ ج ۱
بیسیوں میں سے بطور نمونہ اوپر چند آیات آپ پڑھ آئے ہیں۔ جن میں
فرشتوں کے مخلوق و موجود ہونا ثابت ہے۔ اب ایک ارشاد نبوی بھی ملاحظہ
فرماتے چلیئے۔

مشکوٰۃ شریف کے کتاب الایمان کی پہلی حدیث جس کے راوی امیر باتوقیر
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک اجنبی آدمی نبی علیہ السلام
کی بارگاہِ نبوت میں سفید کپڑوں میں ملبوس حاضر ہوا۔ اسکے چہرہ پر گرد و غبار اٹا
ہوا اسکی مسافت کی نشاندہی کر رہا تھا۔ اس نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے
اسلام و ایمان و احسان اور قیامت کی بابت سوالات کیے، اور جوابات کی تصدیق
بھی کرتا گیا، اسکے چلے جانے کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ
سے استفسار فرمایا کہ آپ اس سائل کو جانتے ہیں؟ سیدنا عمر فاروق نے عرض
کیا کہ اللہ اور اسکا رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ خواجہ گیہاں نے
فرمایا۔ فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ بیشک وہ
جبرئیل تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان)

مقام غور ہے کہ فرشتوں کے مخلوق و موجود ہونے پر خود نبی علیہ السلام اور
صحابہ کرام گواہی دے رہے ہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و مشاہدات
کے مطابق پوری امت مسلمہ کا اس پر ایمان ہے کہ فرشتوں کی بھی ایک
مخلوق موجود ہے جو اللہ تعالےٰ کی اطاعت و انقیاد پر مجبول و مفطور ہے۔
مسٹر سید نے فرشتوں کی مخلوق و موجود ہونے کا انکار کر کے قرآن حکیم، نبی آخر الزمان
سعادت نشاں صلے اللہ علیہ وسلم، صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تکذیب
و انکار کیا ہے جو اصطلاح شریعت میں کفر ہے اسی ارتکاب کفر کی وجہ سے

انکے معاصر علماء کرام اور بعد کے علماء فخام نے ان کی تکفیر کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمایئے

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔ (البقرہ - ۲۸۵)	پیغمبر ایمان لائے اس پر جو ان پر انکے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مؤمنین بھی ایمان لائے یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اسکے پیغمبروں پر۔

دیکھئے یہاں تو اس مسئلہ کو اور اجلیٰ واضح کر دیا گیا ہے کہ تمام مؤمنین اور پیغبران علیہم السلام کا جس طرح اللہ تعالےٰ اور اسکے پیغمبروں اور اسکی کتابوں پر ایمان ہے اسی طرح انکا یہ بھی ایمان ہے کہ فرشتے اللہ کی مخلوق و موجود اپنے خالق و مالک کی مطیع و منقاد ہے۔

فافهموا و تدبروا و تفكروا يا اولى الابصار۔

سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا لوطؑ کے فرشتوں کا بشری قالب میں حضرت ابراہیم کے پاس آنا اور ان کا فرشتوں کی ضیافت و مہمانی کرنا

پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے اور حضرت ابراہیمؑ نے انکو آدمی سمجھ کر بچھڑا ذبح کر کے ضیافت کر ڈالی اور جب انہوں نے کھانا کھانے کے لیے ہاتھ تک آگے نہ کئے تو خدا کے پیغمبر گھبرا گئے فرشتوں نے کہا اے خدا کے پیغمبر گھبرا ؤ نہیں۔ ہم کو اللہ نے آپکے پاس ایک لڑکے کی پیدائش کی خوشخبری دینے کے لیے بھیجا ہے اسکے بعد ہمیں حکم ملا ہے کہ لوط علیہ السلام کی باغی قوم کا صفحہ ہستی سے نام و نشان

مٹا کر رکھ دیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ۔ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ۔ ہود - ۶۹ - ۷۰
الحجر - ۵۱ - ۶۰ الذاریات ۲۴ - ۳۷

اور بالیقین ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس خوشخبری لیکر آئے اور بولے آپ پر سلام ہو۔ ابراہیم نے کہا تم پر سلام ہو پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لے آئے پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ انکے ہاتھ اس کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان سے متوحش ہوئے اور ان سے دل میں خوفزدہ ہوئے وہ (فرشتے) بولے کہ ڈرئیے نہیں ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

پھر سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کو رب کی طرف سے سیدنا اسحاق علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی خوش خبری سنائی تو سیدہ سارہ کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے تعجب سے کہا کہ میں تو ننانوے سال بوڑھی ہوں اور میرا شوہر سو سال سے تجاوز ہو چکے ہیں۔ ہمارے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ اس تعجب خیزی میں آپ ہنس پڑیں۔ فرشتوں نے کہا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں اللہ کا یوں ہی حکم ہے اسکے لیے کوئی مشکل نہیں چنانچہ اس بشارت کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر سیدنا اسحاق پیدا ہوئے پھر انکے ہاں حضرت یعقوب کی ولادت باسعادت ہوئی یہ بشارت دیکر یہی فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس شہر سدوم میں جا پہنچتے ہیں ارشاد ہے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا

اور جب ہمارے فرستادے

لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ.

لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ اُن کی وجہ سے کڑھے اور ان کی وجہ سے بہت تنگدل ہوئے اور بولے یہ آج کا دن بہت بھاری ہے۔

ہود ۷۷ تا ۸۳
الاعراف ۸۰ تا ۸۴
الحجر ۵۸ تا ۷۷

سیدنا لوطؑ کی قوم خلاف فطرت شہوانیت کی رسیا تھی۔ فرشتے چونکہ انکی آخری آزمائش و حجت کے لیے امرد نوجوانوں کی حسین شکلوں میں تھے جنہیں دیکھ کر وہ لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ دوڑے حضرت لوط علیہ السلام بھی فرشتوں کو نوجوان لڑکے ہی سمجھ رہے تھے اس لیے وہ سخت گھبرائے کہ مہمانوں کی کہیں عزت دری نہ کر جائیں۔ معمر آدمی کو باپ ہی سمجھا جاتا ہے اور معمر آدمی بھی قوم کے لڑکے لڑکیوں کو بیٹا بیٹی ہی کہہ کر بلاتا ہے۔ اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے ان فساق کی عورتوں کے متعلق کہا کہ۔ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ - ہود - ۷۸ - ۷۹ -

اے میری قوم یہ میری بیٹیاں بھی تو موجود ہیں یہ تمہارے حق میں بہت پاکیزہ ہیں۔ سو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو، کیا تم میں کوئی بھی نیک چلن نہیں وہ بولے تم خوب جانتے ہو کہ ہم کو تمہاری بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور تم وہ بھی خوب جانتے ہو جو کچھ ہم ارادہ رکھتے ہیں۔ لوط علیہ السلام نے کہا کہ کاش اگر مجھ میں اتنی طاقت ہوتی کہ میں تم کو بہ زور تمہارے شر سے

روک سکتا یا میرا کوئی زبردست جتھا ہوتا تو میں تمہاری خبر لے لیتا۔ فرشتوں کو اب تک لوط علیہ السلام اپنے نوعمر حسین وجمیل مہمان ہی سمجھ رہے تھے۔ اب انکا اضطراب واضطرار اور پریشانی دیکھ کر فرشتوں نے اپنا فرشتہ ہونا ظاہر کر کے انکو اطمینان دلایا۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ الخ
الحجر۔ ۶۱ تا ۷۷۔ الاعراف ۸۰ تا ۸۴
القمر۔ ۳۷۔ ۳۹

فرشتوں نے کہا اے لوطؑ ہم تو آپکے پروردگار کے فرستادے ہیں (ہم تو ہم) ان کی رسائی آپ تک بھی نہ ہو سکے گی۔ آپ رات ہی کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر نکل جایئے۔

اور تم میں سے پیچھے پھر کر نہ دیکھے گا مگر ہاں آپکی بیوی دیکھے گی اسے بھی وہی آفت آلے گی جو ان سب پر نازل ہو گی ان پر نزول عذاب کا وعدہ صبح ہے اور صبح ہونے میں اب دیر ہی کیا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ۔ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ط وَ مَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ۔
ہود ۸۲ تا ۸۳ الحجر ۶۱ تا ۷۷

پھر جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس (زمین) کے بلند (حصہ) کو اسکا پست بنا دیا۔ (اوپر نیچے کر دیا) اور ہم نے اس پر برسا دیئے پتھر کھنگر کے تہ بر تہ خاص نشان کئے ہوئے آپکے پروردگار کے پاس اور وہ (مقام) ان (مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں۔

الاعراف ۸۰ تا ۸۴۔ العنکبوت ۳۱ تا ۳۵۔ قوم لوط کا مسکن بحر مردار کی جگہ تھا۔ لوطیوں کے بڑے بڑے شہر موجودہ بحر مردار کے ساحل پر واقع تھے۔ ابن کثیر اور دوسری

تفاسیر میں مرقوم ہے کہ جو لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں گھسنے کی پہل کر رہے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پر مار کر انکی بینائی ختم کر دی تھی۔ پھر صبح ہوتے ہی خدا کے عذاب نے ان بستیوں کو تہ و بالا کر کے نیست و نابود کر دیا۔ سدوم و عمورہ وغیرھما کے دیار د اطلال آج بھی خدا کے اس عذاب کی گواہی دے رہے ہیں اور اثری تحقیق کرنے والوں نے بہت سے نمونے بھی مہیا کر لیے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے نوجوان مہمان اور لوط علیہ السلام کی قوم کو غارت کرنے والے انسانی شکل میں خدا کے فرستادے فرشتے تھے۔

واعلم ان الاضیاف انما امتنعوا من الطعام لانھم ملائکۃ والملائکۃ لا یاکلون ولا یشربون۔ انظر مفاتیح الغیب۔ معالم التنزیل صدا ۴۵۱ صد ۸۶۴

اور جان لو کہ کھانے کی ضیافت سے وہ اس لیے رُکے رہ گئے کہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ امام رازیؒ نے صاف کہا ہے کہ انھم من الملائکہ لا من البشر بلاشبہ وہ فرشتے تھے انسانوں میں سے انسان نہ تھے۔

ایک سید خان بہادر کی شخصیت ہی ایسی ہے جو قرآن کریم کی مخالفت کر کے ہی خوش ہوتے ہیں وہ خامہ فرسا ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ وہ جو حضرت ابراہیم کے پاس آئے انسان تھے اور قوم لوط کے پاس بھیجے گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر القرآن صد ۲۴ ج ۵)

علماء مفسرین نے قبل اسکے کہ الفاظ قرآن مجید پر غور کریں۔ یہودیوں کی روایتوں کے موافق انکا فرشتہ ہونا تسلیم کر لیا ہے حالانکہ وہ خاصے بھلے چنگے انسان تھے

(تفسیر القرآن ص۲۱ ج ۵ ، از قلم سر سید خان بہادر

سر سید جگہ جگہ علماء اسلام کو کوستے ہیں کہ وہ اسرائیلیات کو نقل کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن خود سید صاحب کو جب دوراز کار تاویل کرتے ہوئے کہیں کوئی سہارا نہ ملے تو وہ خود جگہ جگہ اپنے خود ساختہ مذہب کی تائید میں بادر ہوا کی طرح اسرائیلی روایات ہی پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ضیف ابراہیمؑ کو وہ انسان ثابت کرنے کے لیے کئی کاغذی کشتیاں بناتے اور ہوائی قلعے تعمیر کرتے ہیں لیکن جب تحریفات کی ساری چیزیں انہیں خود خیالات کا سیراب اور ہبار منثور ہوتی نظر آتی ہیں تو انکو ڈھارس دینے کے لیے تحریف شدہ توراۃ کی روایتوں کے اڑواڑہ ہی کو استعمال کرتے ہیں۔ ارقام فرماتے ہیں۔ توراۃ میں لکھا ہے کہ انہوں (فرشتوں) نے حضرت ابراہیم کے پاس بھی کھانا کھایا اور جب وہ حضرت لوطؑ کے پاس گئے تو وہاں بھی کھانا کھایا۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن ص۲۲ ج ۵

درحقیقت قرآن وحدیث اور پوری امت مسلمہ کے خلاف یہ سر سید صاحب کی ایک انوکھی اور نرالی اپنی ہی اُپج ہے۔

امام محی السنہ ارقام فرماتے ہیں۔

فصفقهم بجناحه باذن الله فترکهم عمیا یترددون متحیرین لا یهتدون الی الباب۔ اللہ کے حکم سے جبریلؑ نے پر مار کر ان کو اندھا کر دیا تو وہ ومتردد ہو کر سرگرداں رہے لیکن انکو دروازہ نہیں مل سکا۔ معالم ص۸۶۴

سید لکھتے ہیں قرآن مجید سے اس حادثہ کا واقع ہونا اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس شام کو جبکہ قوم لوط نے جا کر حضرت لوطؑ کا گھر گھیرا وہ آتش خیز پہاڑ اور نفطہ یا گندھک کی کانیں جلنی شروع ہوئیں اور کچھ شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ انکا دھواں تمام شہر میں گھٹ گیا ہو گا اور قوم لوط جو حضرت لوط کا گھر گھیرے ہوئے تھے شہر میں دھواں گھٹ جانے کے سبب کامیاب نہ ہو سکی اندھیری کے سبب ان کو

کچھ نہ دکھلائی دیتا ہوگا۔ اور دھوئیں[1] کے سبب انکی آنکھیں بیکار ہوگئی ہوں گی۔
ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن صـ۴۵-۴۶ ج ۵ ۔ فمن شآء فلیرجع الیہا۔
حضرات قارئین کرام! غور فرمایئے اگر شام کو آتش خیز پہاڑ اور نفط جلنے شروع ہو گئے تھے اور دھواں شہر میں گھٹ گیا تھا تو پھر کیا صرف حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر بلوہ کرنے والے چند افراد ہی کی آنکھیں بیکار ہونی تھیں۔ جب شہر میں جلنے والے لاوے کی چٹانوں کا دھواں گھٹ گیا تھا تو پوری قوم کی آنکھیں بیکار کیوں نہ ہوئیں۔؟ اور پھر بقول سیّد وہ تین آدمی بھی کیسی محیر العقول طاقت کے مالک تھے کہ چار لاکھ مجرموں کو سزا دینے کے لیے اتنی بڑی آتش فشانی ان کی مسخر اور انکے قبضہ وقدرت میں تھی کہ وہ وقت مقررہ سے کچھ بھی تقدم و تاخر نہ کر سکی، کیا ایسی خلاف توقع طاقت رکھنے اور اتنا بڑا اہم کام سرانجام دینے والا کوئی اور ایک آدمی بھی پوری تاریخ انسانی میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ قرآن کی کھلی تحریف نہیں تو اور کیا۔ سید کہتے ہیں کہ یہ ایک اتفاقیہ زمینی حادثہ تھا لیکن قرآن اسے رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ فرما کر آسمانی و فوقانی عذاب بتا رہا ہے اور نبی علیہ السلام کی تعلیمات بھی یہی ہیں اور پوری امت مسلمہ کا اسی پر ایمان رہا ہے اور ہے۔
کیا قرآن کریم کی مذکورہ آیات کے بقرار زیر الفاظ اسکی تصریح نہیں کر رہے ہیں کہ لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کو نیست و نابود کرنے کے لیے بھیجے گئے انسان

---

[1] دھوئیں کے سبب سے نہیں بلکہ خدا کے عذاب سے وہ اندھے ہوئے تھے۔ خدا نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے فَطَمَسۡنَآ اَعۡیُنَہُمۡ۔ القمر۳۷
ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کر دیں۔

نہیں تھے بلکہ اس مخلوق کے کچھ افراد تھے جسے کتاب وسنت کی تعلیمات کے مطابق پوری امت مسلمہ ملائکہ کہتی اور مانتی چلی آرہی ہے اور تاریخ انسانی کے ہزاروں اور قرآن کریم کے بیسیوں کوہِ گراں اور اٹل واقعات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ وہ فرشتے ہی تھے تدبروا و تفکروا۔ الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے استفسار پر فرشتوں نے کہا۔

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۔ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۔ ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم ان پر کھنگر کے پتھر برسائیں۔ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک عذاب آسمانی انکی بدکاریوں کی پاداش میں نازل کرنے والے ہیں۔

حضرات قارئین عظام! کیا نسلِ انسانی کی تاریخ میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ چند آدمیوں نے کھنگر برسا کر انسانوں کی بستیوں کی بستیاں صفحۂ ہستی سے آن کی آن میں مٹا دی ہوں؟ یا کبھی ان پر آسمانی عذاب نازل کرکے لاکھوں مجرموں کو دیکھتے ہی دیکھتے ہلاک کر دیا ہو؟ ہرگز نہیں اور کبھی نہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے مطابق فرشتوں کے ذمہ لگا رکھا ہے۔ درحقیقت قوم لوط پر آنے والے عذاب کی نوعیت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر آنے والے عذاب کی سی تھی۔ جس طرح اسے غرق کرنے کے لیے زمین کی سوتوں سے پانی کی نہریں پھوٹ پڑی تھیں اور آسمان کے دھلانے کھول دیئے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو، القمر۔ ۱۱،۱۲ ہود۔ ۴۴۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو نیست و نابود کرنے والا عذاب کچھ اس نوعیت کا تھا کہ زمین نے خوفِ خداوندی اور حکم وارشاد

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا
جبکہ زمین اپنی جنبش سے خوب ہلا ڈالی جاتے اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال ڈالے
کا سا نقشہ پیش کیا، اور آگ بھڑکانے والی اور بھڑک اٹھنے والی دونوں گیسوں[1] کے معدنی
ذخائر میں جب آگ بھڑکائی گئی تو موجودہ بحر مردار (DEAD SEA) کی جگہ زبوئم
اور عمورہ وغیرہ کی جو بستیاں تھیں وہ آنکھ جھپکتے ہی بھک سے آسمان کی طرف
اڑادی گئیں اور انتہائی بلندی تک لیجاکر انہیں جب زمین پر الٹ دیا گیا تو زمین
کے بھک سے اڑ جانے والے پتھر واپس برسائے گئے اور کچھ آسمان سے برسے
جس سے حضرت لوط علیہ السلام کی مجرم قوم کو نیست و نابود کر کے ان بستیوں
کی جگہ بحر مردار پیدا کر کے رکھ دیا گیا۔

ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ فَذُوقُوا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ (القمر - ۳۸ - ۳۹)

اور صبح سویرے ہی ان پر عذاب دائمی آپہنچا کہ لو میرے عذاب کا مزہ چکھو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ - الحجر - ۶۶)

اور ہم نے لوط کے پاس (اپنا) یہ فیصلہ بھیج دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ ہی (بالکل) کٹ جائے گی۔

خوانندگانِ عظام اندازہ فرمایئے کہ سید صاحب خدا کے اتنے بڑے
عذاب کو کس باغیانہ جسارت سے ایک اتفاقیہ حادثہ کہہ رہے ہیں۔ سرسید خود
اعتراف و اقرار کرتے ہیں کہ وہ فرشتوں کی مخلوق کے منکر ہیں۔ چنانچہ وہ وَلَقَدْ
نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج آلِ عمران ۱۲۳۔

[1] آکسیجن اور ہائیڈروجن۔

کے تحت لکھتے ہیں۔

بڑا مسئلہ بحث طلب اس آیت میں فرشتوں کا لڑائی میں دشمنوں سے لڑنے کے لیے اترنا ہے میں اس بات کا بالکل منکر ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرشتہ لڑنے کو سپاہی بن کر یا گھوڑے پر چڑھ کر نہیں آیا مجھ کو یہ بھی یقین ہے کہ قرآن سے بھی ان جنگ جو فرشتوں کا اترنا ثابت نہیں۔ مگر تمام مسلمانوں کا اعتقاد اس کے برخلاف ہے۔ وہ یقین کرتے ہیں کہ درحقیقت فرشتوں کا رسالہ لڑنے کو اترا تھا۔ وہ نادانی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کا لڑائی کے لیے اترنا منصوص ہے اور اس سے انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے۔ مگر انکا یہ خیال محض غلط ہے۔

مجھ کو فکر تھی کہ اور کسی مسلمان نے بھی اس سے انکار کیا ہے یا نہیں، تو مجھ کو ایک مسلمان ملا جس نے اس سے انکار کیا ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابو بکر اصم اس کے سخت منکر تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن ج ۲ ص <u>۵۲</u>۔ ۵۳۔ ۵۴،

حضرات قارئین عظام! دیکھتے سید خود کہتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں اور وہ پوری امت کو نادان کہتے ہیں جن میں صحابہ کرام، تبع تابعین، آئمہ اربعہ۔ صلحآ و علما۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وغیرہم سب شامل ہیں وہ یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ پوری امت میں انہیں صرف ایک مسلمان (برائے نام) ابو بکر اصم ملا جو انکی طرح فرشتوں کی مخلوق کا منکر تھا ابھی آپ خود یہ فیصلہ کریں کہ سید کون اور کیا تھے۔ رہا سید کا یہ کہنا کہ فرشتوں کا اترنا قرآن سے ثابت نہیں۔ تو ؎

گر نبیذ بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اگر آنکھیں ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

اگر وہ بصیرت کی طرح بصارت سے بھی کورے ہوں اور انکو خود نظر نہ آتے تو اس میں قرآن کا کوئی قصور نہیں، قرآن تو صدیوں سے واشگاف الفاظ میں فرشتوں کا اترنا بتاتا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ جس آیت کے تحت سید نے جحد وانکار کا یہ زہر اگلا ہے وہاں ہی اگلی دو آیتوں میں فرشتوں کا اترنا بیان ہو رہا ہے جو سید کو نظر ہی نہیں آیا۔ سچ ہے کہ ؎

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو

آنکھ جنکی ہوئی محکومی و تقلید سے کور۔

ارشاد ہے۔ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ. بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ۔

(آل عمران ۱۲۴ - ۱۲۵ نیز دیکھو النحل ۳۳)

(اور وہ وقت یاد کرو) جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری مدد تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے کرے کیوں نہیں بشرطیکہ تم نے صبر و تقوی قائم رکھا اور اگر وہ تم پر فوراً آپڑیں گے تو تمہارا پروردگار تمہاری مدد پانچ ہزار نشان کئے ہوئے فرشتوں سے کریگا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے پھر اس نے تمہاری سن لی اور فرمایا اَنِّىۡ مُمِدُّكُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُرۡدِفِيۡنَ۔ الانفال - ۹ - میں تمہیں ایک ہزار فرشتوں یکے بعد دیگرے آنے والوں سے مدد دونگا۔ فَوۡر ۔ شدتِ جوش، کا نام ہے اسکا استعمال آگ کے متعلق ہوتا ہے۔ جب وہ بھڑکے اور ہانڈی جب ابلے

اور غضب جب اس میں سخت جوش پیدا ہو۔ مفردات القرآن، جہنم کے متعلق ہے۔ وَ هِیَ تَفُوْرُ۔ الملک ۷ ۔ مسوّمین۔ اصل میں اسکا مادہ سوم ہے، اسکے چار معنی آتے ہیں۔ چرنے کے لیے چھوڑا۔ طلب کیا۔ بیچا۔ عذاب دیا یہاں مُسَوَّم کے یہی آخری معنی عذاب کے مراد ہیں۔ مُرْدِفِیْنَ۔ ردف تابع یعنی پیچھے آنے والے کو کہتے ہیں یا پچھلا حصہ۔ اَرْدَفْتُہٗ میں نے اسکو اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کیا۔ رادِف، پچھلے کو کہتے ہیں۔ مردِف، متقدم کو کہتے ہیں، یعنی جسکے پیچھے دوسرا ہو۔ ردیف کی جمع رُدَفَاء اور رِداف آتی ہے یہ سب الفاظ میدان کارزار میں نزولِ ملائکہ کی ہیئت و کیفیات کو ظاہر کر رہے ہیں۔ نزولِ ملائکہ کے متعلق چند معتبر تفاسیر سے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ جو ملائکہ یوم بدر میں اتارے گئے تھے انکے عمامے سفید تھے جنکا شملہ کمر پر پڑتا تھا۔ اور یوم حُنین میں اتارے جانے والے فرشتوں کے عمامےؐ سرخ تھے۔ ملاحظہ ہو، ابن اسحاق۔ طبرانی۔ روح المعانی۔ بیان القرآن۔ سیرت ابن ہشام۔ السیرت النبویہ۔ امام عبداللہ محمد بن احمد انصاریؒ قرطبی، توفی ۶۷۱ھ تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں رقمطراز ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہدؒ فرماتے ہیں لَمْ تقاتل الملئکۃ الا یوم بدر۔ فرشتے سوائے بدر کے (اجتماعی طور پر) اور کسی غزوہ میں نہیں لڑے۔ محی السنہ حسین بن مسعود ابو محمد بغوی شافعیؒ توفی ۵۱۶ھ بھی جوں کے توں خامہ فرسا ہیں۔ قال ابن عباسؓ و مجاہدؒ لَمْ یقاتل الملائکۃ فِی المعرکۃ الّا یوم بدر و

لہ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف زمرے تھے جن کی پگڑیوں کے رنگ بھی مختلف تھے۔

رفیھا سوا ذلک ....الخ معالم التنزیل صـ ۱۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ سوائے غزوۂ بدر کے اور کسی معرکہ میں (اجتماعی طور پر) نہیں لڑے قال الکلبی معلمین بعمائم صفر مرخاۃ علی اکتافھم و کانت عمامۃ الزبیر یوم بدر صفراء فنزلت الملائکۃ کذلک - (مدارک التنزیل صـ۱۸۰ ج ۱) (معالم التنزیل صـ۱۸۴ حضرت کلبی فرماتے ہیں، بدر کے دن حضرت زبیرؓ کی پگڑی زرد تھی پھر فرشتوں کا نزول بھی زرد پگڑیوں کی علامت کے ساتھ ہوا جنکے شملے انکے کندھوں پر لٹک رہے تھے۔

عن سعد بن وقاص قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد و معہ رجلان یقاتلان عنہ علیھما ثیاب بیض کاشدّ القتال ما رایتھما قبل ولا بعد۔ رواہ مسلم۔ معالم التنزیل صـ ۱۸۴)

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی علیہ السلام کو غزوۂ احد میں اس حالت میں دیکھا کہ آپکے ساتھ سفید کپڑوں میں دو آدمی تھے جو آپکی طرف سے شدّت کی لڑائی لڑ رہے تھے میں نے ان دونوں کو اس سے پہلے اور اسکے بعد نہیں دیکھا۔ فقال یا ابابکر اتاک نصر اللہ ھٰذا جبرئیل اخذ بعنان فرس۔ معالم صـ۳۷۵ غزوہ بدر میں دعا سے فارغ ہوکر نزول ملائکہ کے وقت نبی علیہ السلام نے حضرت ابو بکرؓ کو بشارت دی کہ آپکے پاس اللہ کی مدد آپہنچی ہے۔ یہ جبرئیل گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں۔

فقال عروۃ بن الزبیر کانت الملائکہ علی خیل ابلق

علیھم عمائم صفر۔ معالم صہ ۱۸۴۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں۔ ملائکہ ابلق گھوڑوں پر سوار اپنے سروں پر زرد پگڑیاں رکھے ہوئے تھے۔ یروی انہ منزل جبرئیل فی خمسمائۃ و میکائیل فی خمسمائۃ فی صورۃ الرجال علی خیل بُلقٍ علیھم ثیاب بیض و علی رؤسھم عمائم بیض ارخوا اطرافھا بین اکتافھم۔ معالم صہ ۳۷۵

روایت ہے کہ حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل پانچ پانچ صد فرشتے لیکر آدمیوں کی شکل وصورت میں سفید کپڑوں میں ملبوس ابلق گھوڑں پر سوار ہو کر نازل ہوئے انکے سروں پر سفید پگڑیاں تھیں جنکے شملے انکے کندھوں کے درمیان لٹک رہے تھے شیعہ مفسر ملا محمد محسن۔ الملقب بالفیض کاشانی۔ توفی ۱۰۹۱ھ بھی جوں کے توں رقمطراز ہیں۔ عن الباقر علیہ السلام کانت علی الملائکۃ العمائم البیض المرسلۃ یوم بدر۔ الصافی صہ ۲۹۵ ج ۱۔ حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں بھیجے جانے والے ملائکہ کے سروں پر سفید پگڑیاں تھیں۔

حضرات قارئین کرام! ایمانی تعقل و تدبر و تفکر سے اگر پوچھئے تو جواب یہی ملیگا کہ یہ سب مُنزِلِین۔ مُسَوِّمِین۔ مُردِفِین کی صراحت ووضاحت سے رونما ہونے والے واقعات کی شہادتیں ہیں۔ ان حقائق ودقائق سے وہی انکار کرسکتا ہے جو خدا سے بے خوف ہو کر ایمان کی دولت سے کورا اور تہی دست ہو گیا ہو۔ تدبروا و تفکروا۔

۵ھ میں جب اعیانِ یہود اور کفار مکہ بہت سے قبائل کی افواج کو فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے مدینہ منورہ پر چڑھالائے تو نبی علیہ السلام نے خندق

کھدوا کر تین ہزار سرفروشان اسلام کی معیت انکا دفاع کیا مہینہ بھر محاصرہ کے دوران طرفین میں اکا دکا مبارزت اور مقابلہ بھی ہوتا رہا آخر کار. اللہ تعالٰی نے فرشتوں کی فوجیں بھیج کر جو بیس ہزار لشکرِ کفار کو ایسی شکستِ فاش دی۔ پھر انہوں نے حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہ کی۔ارشاد ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا۔ الاحزاب-۹

پھر ہم نے ان پر سخت آندھی اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا تھا۔

لَمْ تَرَوْهَا سے مراد صرف اس قدر ہے کہ فرشتے عام طور پر غیر مرئی تھے بطور کرامت و خرق عادت کسی خاص صحابی پر انکا مکشوف ہو جانا اس عام قاعدہ مرئیت کے معارض نہیں۔

اس آیت میں جنود لم تروھا سے مراد فرشتے ہی ہیں جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے حضرت محی السنہ رح ارقام فرماتے ہیں وھم الملائکۃ ولم تقاتل الملائکۃ یومئذ۔ ابن کثیر۔ معالم۔ صد ۰۵/۷ وہ فرشتے ہی تھے اور وہ اس دن نہیں لڑے۔ پھر آگے لکھتے ہیں وکثر تکبیر الملائکۃ فی جوانب عسکرھم حتی کان سید کل حی یقول یا بنی فلاں ھلم الیّ فاذا اجتمعوا عندہ قال النجا النجا اتیتم لما بعث اللّٰہ علیہم من الرعب فانھزموا من غیر قتال۔ معالم صد ۰۵/۷۔ اور کفار کے لشکر کے اطراف واکناف میں فرشتوں نے کثرت سے نعرۂ تکبیر بلند کر دیا جس سے اللہ نے ان پر رعب طاری کر دیا۔ حتی کہ ان کے ہر سردار نے اپنے اپنے

ماتحتوں کو بلانا شروع کر دیا جب وہ انکے پاس جمع ہو گئے تو ان سے یہ کہنے لگے کہ راہِ نجات تلاش کرو، پھر وہ شکست خوردہ ہو کر بغیر لڑائی کئے بھاگ کھڑے ہوئے دیکھئے اللہ تعالےٰ نے تباہ کر دینے والی یخ بستہ تیز و تند آندھی اور فرشتوں کی فوجیں بھیج کر معاندین کو ہمیشہ کے لیے مرعوب و مہزوم کر دیا۔ شیعہ مفسر بھی جوں کے توں رقمطراز ہیں۔ فارسلنا علیہم ریحا دیح الدبور وجنود الم ترو ھا الملائکۃ الصافی ص ۳۳۳ ج ۲۔ پھر بھیجی اللہ نے ان پر دبور کی ہوا اور نظر نہ آنے والی فرشتوں کی فوجیں۔

ادھر بنو قریظہ عہد و پیمان توڑ کر حملہ آوروں کی مدد کرنے میں سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے اور نبی علیہ السلام نے احزاب کو شکست دیکر واپسی پر اپنے اسلحہ اتار کر رکھ دیئے تھے کہ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ وضعتم اسلحتکم ولم تضع الملائکۃ اوزارھا۔ معالم۔ ص ۱۸۴۔ اپنے ہتھیار اتار دیئے ہیں اور فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے جبرائیلؑ کے کہتے ہی نبیؐ تیار ہو کر میدان کارزار میں تشریف لے گئے۔

حضرات قارئین کرام! فرشتوں کے وجود و مخلوق ہونے اور آسمان سے اتارے جانے کی وضاحت و صراحت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے جو سید صاحب کو اور انکے اعوان و انصار کو مطلوب ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد رشید۔ حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ ولد ۱۱۴۳ھ، ۱۷۳۰-۳۱ء تو ۱۲۲۵ھ - ۱۸۱۰ء) رقمطراز ہیں جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنت کی قطعی دلائل سے ثابت ہے جسکا انکار کفر ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر مظہری۔ بشری تقاضوں کے مطابق یہاں صحابہ کرام کی امداد کے لیے نزولِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا گیا ہے جو ضرورت پڑنے پر پورا کیا گیا اور یہ نزولِ ملائکہ کوئی فرضی بات نہ تھی۔ بلکہ

ایک حقیقت تھی جس پر خود نبی علیہ السلام صحابہ عظام اور قرآن کی گواہیاں موجود ہیں منقادانہ فطرت کے فقدان کی وجہ سے سید بلاغت قرآن کے اسلوب کو نہیں سمجھ سکے کیونکہ بلاغت۔ قرآن کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو چیزیں سیاق و سباق سے از خود روشن ہو جائیں قرآن ان کی صراحت غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ جیساکہ یہاں نزولِ ملائکہ کی صراحت نیز قرآن کا اسلوب بیان سمجھنے کے لیے سنت قائمہ پر عبور اور اس سے گہری وابستگی لازمی ہے اور سر سید تو احادیث کو من گھڑت باتیں اور اسرائیلی روایات کہتے ہیں۔ غلام نبی المعروف عبداللہ چکڑالوی محمد اسلم جیراجپوری، غلام احمد[1] پرویز وغیرہ سب سر سید کے کاسہ لیس اور پیروکار تھے، چنانچہ سرزمین ہند و پاک میں فتنہ انکارِ حدیث کے معمارِ اول سر سید تھے۔ جیساکہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، توفی ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء رقمطراز ہیں۔ سر سید کے زمانے سے احادیث کا فن نا آشنایانِ فن کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے[2] چونکہ ان کے خود ساختہ عقل کے معیار پر جو چیز پوری نہیں اترتی، اگر وہ قرآنِ پاک کی کوئی آیت ہے تو اس کی دور از کار تاویل اور اگر احادیث ہے تو اس سے انکار کر کے اپنے زعم میں اسلام کے چہرہ سے خلاف عقل ہونے کا داغ مٹانا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ داغ سمجھ سمجھ کر خدا جانے اسلام کی صحیح تصویر کے کتنے اجزار کو مٹا چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو تدوینِ حدیث۔ یہ بات ذہن میں محفوظ و مصئون کرنے چلئے کہ اہلِ اسلام سلف سے خلف تک ملائکہ کا وجود مانتے آئے ہیں۔ قرآن کریم میں بے شمار جگہ فرشتوں کی مخلوق و وجود کا

---

[1] پرویز نے سید کی خوشہ چینی کر کے تفسیر معارف القرآن، تین ضخیم جلدوں میں لکھی تھی جو علماء نے بوجہ تحریف القرآن ہونے کے انڈیا میں ضبط کرادی تھی۔ پھر پاکستان بننے کے بعد وہ یہاں نہ چھپ سکی اور انکی باقی ہزلیات چھپتی رہیں۔ [2] کمام۔

کا ذکر ہے اور حکیمانہ کتابیں انکے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ فرشتوں کی مخلوق کو متحیزؔ
ماننا قرآن کی رو سے ایمان کا جز ہے۔ کما مرّہ۔ نیز قرآن حکیم کی کئی آیات میں
فرشتوں کے عروج و نزول کا ذکر صراحت سے کیا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے۔ تَعْرُجُ
الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ ...... المعارج - ۴ ملائکہ اور روح
اسکے حضور چڑھ کر جاتے ہیں۔
یعنی یہ درجات جو تہ بہ تہ اوپر نیچے ہیں ان درجات کے اوپر چڑھتے ہیں -
فرشتے اور روح الامین۔ معارف القرآن ص۵۵۵ ج ۸ - از مفتی اعظم پاکستان
مزید تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر۔ یہاں روح سے مراد حضرت جبرئیل ہیں
جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى
قَلْبِكَ - الشعراء ۱۹۳ - ۱۹۴۔ اسے روح الامین نے آپکے قلب پر اتارا
ہے۔ نیز دیکھئے۔ النباء - ۳۸۔ دوسری جگہ ارشاد ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ
وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ - القدر ۴
اس رات میں فرشتے اور روح القدس اترتے ہیں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے
ہر امر خیر لیے ہوئے۔ نیز دیکھئے۔ النحل - ۲۔ روح سے مراد جبرئیلؑ ہیں۔ حضرت
انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل
امین فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ تفسیر مظہری
درحقیقت بابو کیپ چندر سین، بنگالی جیسے سرسید نبی مانتے ہیں اور سفید فاموں
جیسے اعداءِ حق کی دوستی و صحبت نے سید کو پٹڑی سے اتار دیا اور سید نے
الحاد امیز ایک جدید اسلام کی داغ بیل ڈال دی اور محرف القرآن ہو کر رہ گئے

لہ تہذیب الاخلاق

ورنہ ؂ وَ کُلُّ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ
تَقَاصِرُ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ

تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن آدمیوں کے فہم وادراک انکے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍؕ .... الروم۔ ۵۸ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کے مضمون بیان کئے ہیں۔ درحقیقت دینِ حق سے سید کی شدتِ عناد اور حق ناشناسی کی بنار پر ان کی قبول حق کی استعداد سلب ہو چکی تھی۔تب ہی انہوں نے انکار حدیث کے بعد قرآن کریم کی ایک ایک آیت کی تحریف کر کے دین حق کے چہرۂ انور کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کر کے اکبر کے دین الٰہی کی طرح ایک جدید اسلام رائج کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ۔ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ الانفطار ۱۰ تا ۱۲۔ اور بیشک تم پر نگران مقرر ہیں۔بزرگ لکھنے والے جانتے ہیں جو کرتے ہو تم۔ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۔ ق ۱۷،۱۸ ہم اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔(اور اس براہِ راست علم کے علاوہ) دو کاتب (فرشتے) اسکے دائیں اور بائیں بیٹھے ہر چیز ثبت کر رہے ہیں۔کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔

حضرات قارئین کرام، دیکھئے قرآن کریم کا ایک ایک فقرہ فرشتوں کے وجود و مخلوق ہونے پر گواہی دے رہا ہے لیکن سید صاحب کہتے ہیں کہ فرشتوں کا نہ کوئی وجود ہے اور نہ مخلوق بلکہ انسانی ملکہ کو بلفظ ملائکہ تعبیر کر دیا گیا ہے اور جبرئیل و

میکائیل نام ہے ملکۂ نبوت کا۔ علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کا مصداق سر سید نہیں تو اور کون ہے؟

انگریز کے خادم، دین کے ھادم ، ہوئے ہیں کس قدر بے توفیق[1]
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں!

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ط الرّعد - ۱۱۔ ہر شخص کے آگے اور پیچھے اس کے مقرر کئے ہوئے نگران لگے ہوئے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ مُعَقِّبٰت جمع ہے مُعَقِّبہ کی۔ اور معقبہ یا معتقبۂ اس جماعت کو کہتے ہیں جو دوسری جماعت کے متصل اسکے پیچھے آتے، اور یہ فرشتوں کی وہ جماعتیں ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے انسانوں کی حفاظت پر مامور کیا ہوا ہے۔ اور ان کی ماموریت (ڈیوٹی) بدلتی رہتی ہے اور وہ یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔ معارف القرآن از حضرت مفتی اعظمؒ ص ۱۶۹ ج ۵ مابعد۔ روح

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا يَمْكُرُوْنَ ۔ یونس - ۲۱۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) تمہاری سب مکاریاں (خفیہ تدبیریں) کو قلم بند کر رہے ہیں۔

انسان کی ایک ایک حرکت ایک عمل و کام فرشتے اسکے محفوظات (ریکارڈ) میں محفوظ کر رہے ہیں قیامت کے دن وہ اسکے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ حضرت دریابادیؒ نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ ہر ایک کے لیے

---

[1] یہ تضمین ہے۔

باری باری آنے والے فرشتہ ہیں اسکے آگے بھی اور اسکے پیچھے بھی وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ اسکے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ مُعَقِّبٰت۔ سے مراد فرشتے ہی ہیں، خدائی حکومت میں فرشتوں کی ڈیوٹی لگی رہتی ہے۔ پہرہ اپنے اپنے وقت پر بدلتا رہتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

برائے آدمی فرشتگانند از پئے یکدیگر آیندہ میان دو دست او و پس پُشت او نگاہ میدارند او را بہ حکم خدا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ روح المعانی۔ تفسیر ابن کثیر۔ کچھ اور آیات ملاحظہ فرمایئے جن میں فرشتوں کی مخلوق کا تذکرہ ہے

الشوریٰ۔ ۵ الرعد ۱۳ النحل ۴۹۔۵۰ القدر ۴ العلق ۱۸ المطففین ۲۱
النبا ۳۸ عبس ۱۵۔۱۶ الجن ۲۷۔۲۸ المدثر ۳۱ ۔ سبا ۴۰ المعارج ۴
التحریم۔ النّٰزعٰت ۱ تا ۵ ہود ۷۷۔۸۱ فاطر ۱ الرّعد ۲۳ الحجر ۸۔۵۷۔
۶۱۔۶۲ النحل ۲۔۱۰۲ حٰمٓ سجدہ ۳۰، ۳۱، ۳۲

فرشتے میدان کارزار میں

پھر ہمیں قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ فرشتے اللہ کے حکم سے میدان کارزار میں اللہ کے بندوں کی امداد کے لیے بھی آتے ہیں۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۔ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۔ الانفال ۹۔۱۲

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ، میں

تمہارے ساتھ ہوں تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں، پس تم انکی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ نیز دیکھئے۔ اٰل عمران - ۱۲۴ - ۱۲۵ - میدانِ بدر میں بعض صحابہؓ نے جبرئیل آمین کی آواز بھی سنی کہ اقدم حیزوم فرمارہے ہیں اور بعض نے ملائکہ کو دیکھا بھی۔ مسلم۔

ملک کا مبنیٰ و ماٰخذ اور معنی

اَلْمَلٰٓئِکَۃُ - فرشتے مَلَكٌ اصل میں مَاْلَكٌ - ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ مَلْاَكٌ سے مقلوب ہے۔ اور مَاْلَكٌ و مَاْلَكَۃٌ و اُلُوكٌ - کے معنی رسالت یعنی پیغام کے ہیں۔ اسی سے اَلِکْنِی کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں اسے میرا پیغام پہنچا دو۔ علامہ خلیل نحوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مَاْلَكٌ کے معنی ہیں - پیغام

لغات عرب کے امام علامہ ابن منظور افریقی رح لکھتے ہیں۔ الملك وَاحد الملائکہ - والملك من الملائکۃ: واحد وجمع، قال الکسائی اصلہ مَاْلَكٌ بتقدیم الھمزۃ - من الاُلُوكِ وھی الرسالہ - قال الابن البری مَلْاَك مقلوب من مَاْلَك

انظر، لسان العرب ص ۴۹۶ ج ۱۰

اصل میں ملئك، الك سے ہے۔

الك: فی ترجمۃ علج - یقال ھذا اُلُوك صدقٍ

...... الالوك الرسالۃ وھی المألکۃ - ... الك الفرس، اللجام فی فیہ یالکہ علکہ والالوك والمالکۃ والمألکہ الرسالۃ لانہا تؤلك فی الفم - قال لبید ؎

وغلام ارسلتہ امہ بالوكٍ فبذلنا ما سأل

ویقال: الك بین القوم اذا ترسل الکا و الوکا، والاسے منہ الالوکۃ وھی الرسالۃ وکذالك الالوکۃ والمالکۃ والمالك ..... الخ

وفی حدیث زید بن حارثۃ و ابیہ و عمہ ؎

الکنی الی قومی، وان کنت نائیاً
فانی قطین البیت عند المشاعر

ای بلّغ رسالتی من الالوکۃ و المالکۃ وھی الرسالۃ الخ

لسان ص ۳۹۳ ج ۱۰ ص ۳۹۴ ج ۱۰)

نبی علیہ السلام کو ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی شکل وصورت میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے اس وقت آسمان ایک کنارے سے دو کنارے تک انکے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ نبی علیہ السلام یہ دیکھ کر بڑے گھبراتے اس خوف وہراس میں فوراً کاشانۂ مبارک میں پہنچے اور فرمایا۔ زملونی زملونی مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ مجھے کپڑا اڑھاؤ۔ ارشاد ہے

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ. (التکویر ۲۳)

اور وہ اس (فرشتہ) کو آسمان کے کنارے پر دیکھ بھی چکے ہیں۔

دوسری بار نبی علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سات آسمانوں کے اوپر اصلی شکل میں دیکھا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى
(النجم - ۱۳، ۱۴، ۱۵)

اور انہوں نے اس فرشتہ کو ایک بار اور بھی دیکھا ہے سدرۃ المنتہی کے قریب کہ اس کے پاس جنت الماوی ہے۔

جبرئیلؑ اکثر اوقات نبی علیہ السلام کے پاس دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتے تھے بعض اوقات کسی اجنبی آدمی کی شکل میں بھی آتے تھے اور بعض صحابہ کرام نے بھی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ کمامر۔ ان گواہیوں اور قرآن کریم کی تصریحات کے بعد فرشتوں کا انکار کرنا کفر نہیں تو اور کیا۔

قصواء۔ عضباء۔ جدعاء۔ شہباء۔ ایک ہی اونٹنی کے نام تھے وحی اترتے وقت صرف یہی اونٹنی آپکو سنبھال سکتی تھی۔ تیسیر الباری شرح بخاری ص۱۹۷ ج۳۔) من جملہ اصول ایمان ایک یہ بھی ہے کہ اللہ کے فرشتوں پر ایمان لائے کہ وہ اللہ کے معزز بندے ہیں انکے جسم لطیف ہیں وہ ہر ایک شکل میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ جن بھی لطیف ہیں مگر فرشتے ان سے بھی زیادہ قوی ہیں۔ جنوں میں اچھے بُرے مومن کافر سب طرح کے ہوتے ہیں۔ مگر فرشتے سب اللہ کے بندے اور تابعدار ہوتے ہیں۔ سعیدؒ بن مسیّبؓ نے کہا ہے فرشتے نہ مرد ہیں نہ عورت نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ نکاح کرتے ہیں نہ جنتے ہیں۔ نیچری[1] مردودوں نے جہاں اور ایمانیات[2] کا انکار کیا ہے ان کی تاویل کی ہے فرشتوں کا بھی انکار کیا ہے جو صراحتہً کفر ہے۔ تیسیر الباری ص۲۹۱ ج۳) راقم حروف وسطور کا وجدان کہتا ہے کہ امام بخاری تغمدہ اللہ برحمتہ کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے کہ انہوں نے کمال مومنانہ فراست سے بخاری میں پہلا باب وحی کا قائم کر کے پھر اسکے بعد کتاب الایمان لاکر اس ترتیب سے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ایمان اسی شخص کا مقبول اور قابل اعتبار و معتبر ہے کہ جسکا وحی اور نظام وحی پر ایمان ہے۔ اور جس کا وحی اور نظام وحی پر ایمان نہیں اسکا کوئی ایمان ہی نہیں۔

---

[1] سرسید اور انکے اعوان وانصار اور متبعین [2] سرسید ایمانیات کے منکر ہیں۔

کتاب الایمان کے بعد تیسرے رتبہ پر کتاب العلم کا باب قائم کر کے یہ بات بھی واضح کر دی کہ قرآن و حدیث کا حقیقی علم اسے ہی نصیب ہوتا ہے جسکا وحی اور نظامِ وحی پر ایمان کامل ہو۔ اور جسکا ایمان ناقص ہو وہ خواہ کتنا ہی عربی دان ہو اسے قرآن و حدیث کے حقائق و دقائق اور غوامض و مضمرات کا علم نصیب نہیں ہو سکتا جیسا کہ سرسید و اعوانہ و انصارہ یاد رہے کہ جس طرح ربطِ آیات کا علم علوم القرآن میں داخل ہے۔ اسی طرح ربطِ احادیث کا علم بھی علوم الحدیث میں داخل ہے۔ فافھموا و تدبروا۔

منکرین ملائکہ سے چند سوالات

اگر ملائکہ صرف انسانی قوت ملکوتیہ کا نام ہے تو پھر،

قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ (البقرہ ۳۰ تا ۳۴، ۹۷، ۹۸،

کہا ہم نے ملائکہ (فرشتوں) کو کہ سجدہ کرو آدم کو۔ کے کیا معنی ہیں؟ یہ حکم تو انسان کی پیدائش کے دن کا ہے اور فرشتے تو پہلے موجود تھے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ ال عمران - ۱۸

اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور ملائکہ (فرشتے) اور سب اہل علم بھی راستی اور انصاف کیساتھ اس پر گواہ ہیں بتایئے اہل علم کیا تھے اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دینے والے یہ ملائکہ کون ہیں۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ال عمران - ۳۹)

ملائکہ (فرشتوں) نے آواز دی جبکہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا کہ اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔ بتایئے حضرت زکریاؑ کو یحییٰؑ کی خوشخبری دینے والے ملائکہ انسانوں

سے الگ ایک مخلوق نہیں تو اور کون تھے ؟

۳- وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ الخ (اٰلِ عمران — ۴۲)	اور وہ وقت یاد کرو جب ملائکہ (فرشتوں) نے مریم سے کہا، اے مریم اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی الخ
۴- اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (اٰل عمران ۴۲ تا ۴۷)	اور وہ وقت یاد کرو جب ملائکہ (فرشتوں) نے مریم سے کہا، اے مریم اللہ تجھے ایک فرمان کی خوشخبری دیتا ہے اسکا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔

یہ ملائکہ جو حضرت مریمؑ کو حضرت عیسٰی کی خوشخبری دے رہے ہیں اگر یہ فرشتوں کی مستقل مخلوق میں سے نہیں تھے تو اور کون تھے ؟

۵- اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط (النساء ۹۷ الانعام ۶۱-۹۳)	جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟

اب بتائیے انسانوں کی جانیں قبض کرنے والے فرشتوں کی مخلوق میں سے نہیں تو اور کون ہیں ؟ کیا انسانوں کی قوت ملکوتی بھی یہ کام کر سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں اور کبھی نہیں

۶- حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ۔ (الانعام - ۶۱)	یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں اور اپنا فرض انجام دینے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔

بتائیے انسانوں کی جانیں قبض کرنے والے، اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی

نکرنے والے، جنکو رسول کہا گیا ہے یہ اگر فرشتے نہیں تو اور کون ہیں؟

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط

(الانعام - ۶۱) تم پر نگرانی کرنے والے بھیجتا ہے. فرمایئے ہر انسان پر یہ نگرانی کرنے والے فرشتوں میں سے نہیں تو اور کون ہیں۔؟

سر سید لکھتے ہیں کہ ملائکہ حفظ کوئی جُدا گانہ مخلوق انسان سے نہیں ہے۔

(تفسیر القرآن صہ ۳۷ ج ۳)

لیکن قرآن میں اللہ تعالےٰ نے بار ہا فرشتوں کی مخلوق کا ذکر فرمایا ہے اور حدیث میں تو انکا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اسلامی جنگوں یعنی غزوات میں فرشتوں کے کارہائے نمایاں کا ذکر کیا گیا ہے اور بدر وغیرہ میں کئی ایک صحابہ حضرات نے فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے، سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ ایک آدمی صرف فرشتوں کی آوازیں سن کر اور انہیں دیکھ کر مسلمان ہو کر صحابہؓ میں شامل ہو گیا۔ سورہ عمران کی آیت ۱۲۴ - ۱۲۵ میں حق و باطل کے معرکہ بدر و احد میں صحابہ کی مدد کے لیے ملائکہ کے نزول کا ذکر کیا گیا ہے۔ الانعام ۸ - ۹ میں جن ملائکہ کے آسمان سے اترنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخر کون شخصیتیں تھیں؟ اگر ملائکہ انسان کے اندر کی قوتِ ملکوتیہ اور ملکہ کا نام ہے تو پھر ملائکہ کے آسمان سے اترنے اور نازل ہونے کے کیا معنیٰ ہیں؟ نیز یہ مقام بھی قابلِ غور ہے کہ لیلۃ القدر کی رات میں جس مخلوق کے نزول کا ذکر قرآن و حدیث میں کیا گیا ہے وہ کون سی مخلوق ہے؟ چنانچہ ارشاد ہے، تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ القدر - ۴) اس میں فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے ہر حکم، امرِ خیر کو لیے ہوئے اترتے ہیں۔ اس آیت نے بات اور صاف کر

دی کہ ملائکہ بطور خود نہیں اترتے بلکہ اپنے رب کے اذن سے آتے ہیں۔ ہر حکم یا ہر امر خیر سے مراد وہی ہے جسے دوسری جگہ امر حکیم یعنی حکیمانہ کام کہا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ الدخان - ۵ یعنی اس رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ ہمارے (اللہ کے) حکم سے صادر کر دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلطنت الٰہی میں یہ ایک ایسی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ افراد و اقوام اور ملکوں کی قسمتوں کے فیصلے کر کے اپنے فرشتوں کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر فرشتے انہی فیصلوں کے مطابق عملدرآمد کرتے رہتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے۔ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(الاحزاب - ۵۶)

بلاشبہ اللہ اور اسکے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرما رہا ہے کہ اے مسلمانو! فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں تم بھی ان پر درود بھیجو بتائیے اگر ملائکہ انسان کی قوتِ ملکوتیہ کا نام ہے جو اسکے اندر موجود ہے تو پھر یہ ملائکہ کون ہیں جو باہر سے نبی پر درود بھیج رہے ہیں؟ یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ملائکہ ایک الگ اور مستقل مخلوق ہے جو عرف عام میں مشہور و معروف ہے انسان کی صرف کسی قوت کا نام نہیں۔

سینکڑوں احادیث میں بھی فرشتوں کی مخلوق کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے۔

قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَلِقَائِهِ وَرُسُلِهِ وَ

تُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ كُلِّهٖ الخ مسلم شریف کتاب الایمان۔ یعنی جبرئیل نے عرض کیا یا رسول اللہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یقین کرے تو اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اسکے ملنے پر۔ اور اسکے رسولوں پر اور یقین کرے تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر اور یقین کرے تو پوری تقدیر پر۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ فرشتوں کی مخلوق پر ایمان رکھنا، ایمان کی جزیات میں سے ہے۔ یہ حدیث دوسری جگہ یوں بیان کی گئی ہے۔ قَالَ فَاَخْبِرْنِی عَنِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان۔ جبرئیل نے نبی علیہ السلام سے استفسار فرمایا کہ مجھے ایمان کی بابت کچھ بتائیے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ کہ ایمان لائے تو اللہ پر، اور اسکے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور روز آخرت پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیر سب اسکی طرف سے ہے جبرئیل نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔

سر سید معراج النبی کے منکر تھے

سید موصوف خامہ فرسا ہیں ہماری تحقیق میں واقعہ معراج کا ایک خواب تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ اسی خواب میں یہ بھی دیکھا کہ جبریل نے آپکا سینہ چیرا اور اسکو آب زمزم سے دھویا الخ ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن صفحہ ۱۳۰ ج ۲

قارئین کرام و خواندگانِ عظام، احادیث کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو روحانی معراج بارہا ہوئی ہے اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رض بنت صدیق رض، حبیبہ حبیب خدا اور امیر معاویہ رض نے اسی کا تذکرہ کیا ہے معراج مع الجسد والروح تو ہجرت سے پہلے ہوئی تھی اور حضرت عائشہ صدیقہ رض کی رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جاکر ہوئی تھی۔ اور امیر معاویہ رض آٹھ ہجری میں

بہ اسلام ہوئے تھے۔ لہذا ان کی روایتوں کو سر سید کا پیش کر کے یہ کہنا کہ یہ معراج مع الجسد والروح کے قائل نہیں تھے۔ جہالت کا ثبوت ہے۔ سر سید خاں بہادر دوسری جگہ یوں خامہ فرسا ہیں کہ۔ ہمارا اور ہر صاحب عقل کا بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے اسکو (یعنی معراج النبیؐ کو) ایک واقعہ خواب کا تسلیم کرے۔

(ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن صـ۱۳۲ ج ۶ و صـ۸۶ ج ۶)

امر واقع یہ ہے کہ اگر معراج واقعی خواب و خیال ہوتا تو اہالیانِ مکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بحث وتمحیص اور تفحص نہ کرتے اور نہ بیت المقدس وغیرہ کی بابت سوالات کرتے یہ بات مسلّم ہے کہ کفار مکہ معراج کو مع الجسد والروح خلاف عادت محیر العقول عالم بیداری میں رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر کرنا خلاف عقل سمجھتے تھے اسی لیے انہوں نے جو سوالات کیئے نبی علیہ السلام نے انکے جوابات دیکر انکو مضحم کر دیا تھا۔ آپ نے بیت المقدس کا صحیح صحیح نقشہ بھی بتا دیا اور ایک قافلہ کی سفری کیفیت بھی بتادی جو قافلہ کے آنے پر درست ثابت ہوئی تو کفار لاجواب ہو کر رہ گئے۔ کچھ اہالیانِ مکہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دیکھو تمہارا ساتھی کتنے وثوق سے اور کتنی بڑی بات کہتا ہے جو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ وہ کہتا ہے کہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں وہ بیت المقدس اور آسمانوں کے عجائبات دیکھ کر آیا ہے، کیا تم اب بھی اس خلاف عقل بات کو تسلیم کر لو گے؟ آپ نے فرمایا میں آسمانوں سے جبرئیل علیہ السلام کا بار بار آپکے پاس آنا تسلیم کر کے اس سے بھی بڑی بات تسلیم کر چکا ہوں اس لیے میں اس سفر اسرا اور معراج کو حکمت پر مبنی سچا واقعہ تسلیم کرتا ہوں۔ نبی علیہ السلام کو جب آپکی حق گوئی کی اطلاع ہوئی تو بارگاہِ نبوت سے آپ کو صدیقؓ[1] کا مبارک

---

[1] صدیق صاد کے کسرہ سے ہو تو اسکے معنی ہیں سب سے زیادہ سچا اگر صاد کی فتح کیساتھ ہو تو اسکا معنی ہے سچا ساتھی

خطاب مرحمت ہوا۔ خود نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور پوری امت اس پر متفق ہے کہ نبی علیہ السلام کو جسم اور روح کے ساتھ بحالت بیداری معراج ہوئی ہے۔ چند ملاحدہ اور سرسید کی اکیلی شخصیت ایسی ہے جس نے یہ نظریہ اختیار کیا ہے کہ معراج کا واقعہ خواب خیال تھا۔ ہزاروں میں سے بطور نمونہ کے چند اکابر مفسرین رحمہم اللہ کی آراء ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ امام فخر الدین بن ضیاء الدین عمر الرازی علیہ سحائب الرحمت والرضوان ولد ۲۵ رمضان ۵۴۳ھ موافق ۱۱۴۹ء توفی ۶۰۶ھ موافق ۱۲۰۹ء ارقام فرماتے ہیں

ان العبد اسم لمجموع الجسد والروح وجب ان یکون الاسراء حاصلا لمجموع الجسد والروح	بلاشبہ لفظ عبد جسم اور روح دونوں کے مجموعہ پر بولا جاتا ہے اس سے ثابت ہے کہ اسراء (معراج) روح اور جسم دونوں کو حاصل ہوا ہے۔

(تفسیر کبیر صہ ۲۰۱ ج ۴)

۲۔ علامہ ابو الفضل قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی المالکی روح اللہ روحہ ولد ۴۷۶ھ توفی ۵۴۴ھ بھی جوں کے توں خامہ فرسا ہیں۔

لو کان مناما لقال بروح عبدہ ولم یقل بعبدہ (شفاء صہ ۸۶)	نبی علیہ السلام کو معراج اگر نیند کی حالت میں ہوئی ہوتی تو معراج کے تذکرہ میں سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

نہ کہا جاتا یعنی اگر معراج بحالت نیند خواب میں ہوئی ہوتی تو یوں فرمایا جاتا کہ پاک ذات ہے وہ جس نے رات ورات سیر کرائی اپنے بندہ کی روح کو۔ اور یہ نہ فرمایا جاتا کہ۔ پاک ذات ہے وہ جس نے سیر کرائی رات ورات اپنے بندہ کو۔ کیونکہ عبد کا لفظ جسم اور روح کے ساتھ زندہ جاگتے آدمی پر بولا جاتا ہے۔

۳۔ علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی ولادت ھ توفی ۷۴۱ھ
بھی جوں کے توں رقمطراز ہیں۔ والحق الذی علیہ اکثر الناس
ومعظم السلف و عامۃ الخلف من المتاخرین من
الفقہاء والمحدثین والمتکلمین انہ اُسرِیَ بروحہ
وجسدہ صلی اللہ علیہ وسلم و یدل علیہ
قولہ سبحانہ تعالیٰ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی
بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا و لفظ العبد عبارۃ عن مجموع
الروح والجسد۔ خازن ص ج

درحقیقت اکثر لوگ اور اگلے پچھلے فقہاء کرام اور محدثین عظام اور متکلمین
تمام اس پر متفق ہیں کہ نبی علیہ السلام کو روح اور جسم دونوں کے ساتھ اسراء و معراج
کرائی گئی ہے اور اس پر سبحانہ تعالےٰ کا ارشاد دلیل ہے کہ پاک ذات ہے وہ
جس نے رات ورات سیر کرائی اپنے بندے کو اور لفظ عبد جسم اور روح دونوں
سے عبارت ہے۔

۴۔ روی عن عائشہ رضی اللہ عنہما انہا
کانت تقول ما فقد جسد النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ولکن اللہ اسری بروحہ والاکثرون علی
انہ اُسرِیَ بجسدہ فی الیقظۃ۔ معالم التنزیل ص

امام محی السنہ حسین بن مسعود شافعی رحمہ اللہ ولادت ھ توفی ۵۱۶ھ بھی جوں
کے توں فرماتے ہیں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے
کہ نبی علیہ السلام کا جسد مبارک غائب نہیں ہوا لیکن اللہ تعالےٰ نے آپکی روح مبارک
کو سیر کرائی ہے اور اکثر اس پر ہیں کہ آپکو بحالت بیداری سیر کرائی گئی ہے۔ سیدہ

عائشہ رضؓ کی روایت کی حقیقت اوپر عرض کی گئی ہے اسے ایک بار پھر دیکھ لیجئے

۵۔ قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعیؒ ولدسنہ ھ توفی ۶۸۶ھ بھی جوں کے توں خامہ فرسا ہیں۔

واختلف فی انہ کان فی المنام اوفی الیقظۃ بروحہ او بجسدہ والاکثرون علی انہ اُسریٰ بجسدہ الی بیت المقدس ثم عُرِجَ بہ الی السمٰوٰت حتی ھی سدرۃ المنتھی و لذلک تعجّب قریش

(بیضاوی ص ج)

اس میں (فروعی) اختلاف ہے کہ نبی علیہ السلام کو معراج روح کے ساتھ ہوئی ہے یا کہ جسم کے ساتھ۔ اور اکثریت اس پر ہے کہ بیت المقدس تک آپکو جسم کے ساتھ سیر کرائی گئی ہے پھر آپکو آسمانوں پر چڑھایا گیا حتی کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے اور قریش نے اسی لیے اس پر تعجب کیا تھا کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں آپکو اتنا طویل ترین سفر کیسے کرایا گیا۔

حضرات قارئین کرام غور فرمایئے قرآن حکیم کے الفاظ اور پوری امت یہ کہہ رہے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو روح اور جسم کے ساتھ حالت بیداری میں اسراء و معراج کرائی گئی ہے۔ لیکن ایک سرسید ہیں کہ قرآن کریم کو بے سمجھے اور مانے بغیر ہی پوری امت سے الگ ہو کر یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے اور ڈھنکے کی چوٹ کہہ رہے ہیں کہ معراج کا واقعہ ایک خواب خیال تھا، علامہ مرحوم نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

ہے زندہ وحدت افکار سے ملت

وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد ہے

سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ اس آیت میں اللہ تعالیٰ

نے تین چیزیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اول، لفظ سُبْحٰنَ یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ عجیب وغریب اور خارق عادت نشانی دیکھنے میں آئے یہ لفظ اسی چیز کی دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جسم عنصری کے ساتھ حالت بیداری میں معراج کرائی گئی ہے ورنہ خواب کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ جس پر لفظ سبحٰن کا اطلاق ہوتا ہو۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ صہ ۱۱۴ ج ۳) لعلامہ ابن کثیرؒ ثانیاً۔ اس آیت میں لفظ عبد کا اطلاق کیا گیا ہے اور زندہ انسان پر عبد کا اطلاق جسم اور روح دونوں کے مجموعہ پر ہی آتا ہے اور اگر نبی علیہ السلام کو بجسدہٖ حالت بیداری میں معراج کی سیر نہ کرائی ہوتی تو اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ نہ بولا جاتا بلکہ اَسْرٰی بِرُوْحِ عَبْدِہٖ بولا جاتا۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کما مر۔ ثالثاً۔ لَیْلاً یعنی رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کیا گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سیر وسفر کو اسریٰ سے تعبیر فرمایا ہے اور اَسْرٰی کا اطلاق حقیقتہً رات کی اس سیر پر ہوتا ہے جو جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہو چنانچہ لغت عربی اور قرآن حکیم میں اسکے مشتقات موجود ہیں۔ مثلاً

۱۔ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ الخ (ہود - ۸۱)	نو وارد مہمان بولے، اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک، سو لے نکل اپنے لوگوں کو رات ہی کے کسی حصہ میں۔

جب لوط علیہ السلام کے اضطراب واضطرار وقلق کی حد ہوگئی، تب مہمانوں نے کہا حضرت آپ کس فکر میں گھلے جارہے ہیں آپ پریشان نہ ہوں، ہم خدا

کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو انکو تباہ و ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں یہ فساق و خلیث ہمارا تو کیا بگاڑ سکتے ہیں آپ تک بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ دیکھئے یہاں بھی لفظ اسرا آیا ہے جس نے یہ بات صاف کردی کہ اسریٰ کا لفظ روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر ہی بولا جاتا ہے

تفکروا یاولی الابصار۔

۲- فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ ...الخ الحجر ۶۵) — سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر چلے جائیے۔

یعنی اپنے گھر والوں کو راتی رات نکال لے جائیے۔

۳- وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۥ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ الخ (طٰہٰ - ۷۷) — اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ۔

۴- وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ . (الشعراء - ۵۲) — اور ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ شبا شب میرے ان بندوں کو لیکر نکل جاؤ تمہارا تعاقب ہوگا۔

السَّارِيَةُ اس جماعت کو کہتے ہیں جو رات کو سفر کرتی ہو۔ اسکے معنی رات کے بادل اور ستون بھی آتے ہیں۔

۵- فَاَسْرِ بِعِبَادِىْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ۔ (الدخان - ۲۳) — پھر اب میرے بندوں کو بھی تم رات ہی کے کسی حصہ میں لے کر نکل جاؤ۔ تمہارا تعاقب ہوگا۔

لغت میں اُسْرِیٰ - اسراءً - سَارِيَۃُ لَیلاً - کا معنی جسم اور روح کے ساتھ رات کو چلنے پر بولا جاتا ہے یہاں مقام غور ہے کہ ان مذکورہ

آیاتوں میں لفظ اسرا آیا ہے جو اسرار سے ہے اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کی روحوں کو لیکر چلے جاؤ اور انکے ابدان مصر میں ہی پڑے رہنے دو۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم ملا تھا کہ رات کے کسی حصہ میں بنی اسرائیل کو مع الروح اور بدن کے لیکر نکل جاؤ۔ جس طرح یہاں روح اور بدن کے مجموعہ پر اسرار کا لفظ بولا گیا ہے اسی طرح سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ میں بھی روح اور جسم دونوں کے مجموعہ پر بولا گیا ہے۔ سرسید نے معراج کو خواب خیال اس لیے کہا ہے کہ وہ عربی لغت کے الفاظ کے مدلول اور انکے مقاصد اور معنی اور معنی کے متغیر ہونے اور محتمل اور غیر محتمل معنی اور مرادف اور محدثین و فقہا کی اصطلاحات و محاورات اور قرآنی حقائق و دقائق سے قطعی طور پر ناواقف تھے۔ سرسید خان بہادر کے انکار و جحاد کو دیکھکر مومن اور دوسرے شعراء کے یہ اشعار زبان دل پر آجاتے ہیں کہ ؎

قربان سیدؔ[1] سے کہ تیرا ہے ہر کام اُلٹا
کہ نظر پڑے ہے سارا در و صحن و بام الٹا

بنے کیوں کر ہے سب کار الٹا
مذہب الٹا، بات اُلٹی، یار اُلٹا

تو تو توڑ کر اُس طرف سے اِس طرف جوڑے
تو تو مؤمن ہے وگرنہ مومنوں کی پوچ ہے

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

---

[1] دو شعروں میں تضمین کی گئی ہے۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ تو می روی بترکستان است

مقصدِ معراج | اللہ نے ارشاد فرمایا لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ بنی اسرائیل ا۔ تاکہ اس (رسول اللہ ؐ) کو ہم دکھلائیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے۔ ترجمہ شیخ الہندؒ۔ تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھلائیں حضرت لاہوریؒ۔ معراج مبارک کی سیر ایسی تھی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے لیے سیر طور۔ مگر بقول شاعر ؎

طورِ سینا اور ہے معراج مولیٰ اور
اپنا جانا اور ہے اُن کا بلانا اور

اس سفرِ اسرار اور معراج کی غرض یہ تھی کہ۔ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ تاکہ بیت المقدس سے بھی آگے کہیں اور لے جاکر اپنی قدرت کے عظیم الشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب وغریب نمونے دکھلائیں۔ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج واسراء کا واقعہ بجسدہ الشریف واقع ہوا۔ جمہور سلف وخلف کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور پُرنور کو حالتِ بیداری میں بجسدہ الشریف معراج ہوئی ہے جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کے ساتھ حالتِ بیداری میں معراج کا ہونا متحقق ہے۔ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وحی الٰہی ہیں اور سرسید کے معتقدات ظن وتخمین اور سراب خیالات پر مبنی ہیں۔ سرسید خان بہادر اور ان کے اعوان وانصار اپنی کوتاہ نظری اور تنگ وتاریک خیالی سے خداتعالےٰ کی لامحدود قدرت کاملہ کو اپنے وہم وگمان کی چار دیواری میں محصور کر کے معراج مع جسم وروح کے حالتِ بیداری میں ہونے کے منکر ہوتے ہیں۔

واقعہ اسراء ایک تو بجائے خود عجیب وغریب تھا جو مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ

تک کئی صد امیال کا سفر آناً فاناً چند ساعتوں میں طے ہوا اور پھر حسب تصریح احادیث مکرمات بیت المقدس میں انبیاء سابقین سے ملاقات کا ہونا پھر اس سے آگے ملکوتی اور آسمانی مشاہدات عجیب ترین اور قدرت کاملہ کے عجائبات، کائنات کو ملاحظہ کرنا۔ ان کی حیثیت محض آیات الٰہی ہی کی تھی جن سے معرفت الٰہی اور حکمت الٰہی کے بڑے بڑے اسباق ملتے ہیں۔

ملاحظہ ہو، ابن کثیر۔ مواعظ ابراہیمی۔ احادیث مقدسہ یہ ایک حیرت انگیز شبانہ سفر نبوی عین حق وصداقت ہے اور یہ ایک محیر العقول ایسا معجزہ ہے جو عام بشری تجربہ اور عقل سے مافوق واقعہ ہوا ہے اسکے نفس وقوع پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس کی تاویل اور اس سے انکار وہی کرسکتا ہے جو عقل سلیم اور عقل معاد سے کورا ہو۔ اور دولت ایمان سے تہی دست۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ معراج النبی کی بابت بڑے پتے کی بات ارقام کر گئے ہیں۔

دکھاوے سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان سے لوگ جانچے آزمائے گئے۔

سچوں نے سن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا سر سید کی طرح؟

علامہ مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے کہ ؎

معراجِ مصطفےٰ سے یہ سبق ملا ہے مجھے
عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ	اور جو منظر ہم نے آپکو دکھلایا تھا
اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً	اسے ہم نے لوگوں کی آزمائش کا سبب
لِّلنَّاسِ ... (بنی اسرائیل - ۶۰)	بنا دیا۔

مقام غور ہے کہ اگر معراج خواب میں ہوئی ہوتی تو اسے آزمائش کا سبب نہ کہا جاتا کیونکہ خواب کی باتِ اتنی تعجب خیز نہیں ہوتی۔ لوگ تعجب و تحیر میں پڑ کر آزمائش کی میزان میں اس لیے پہنچ گئے کہ انسانی عقل و شعور سے یہ سفر معراج بالاتر ہے کہ اتنے قلیل وقت میں اتنا طویل سفر کیسے طے ہو گیا حضرت عثمانی کے بقول سچوں نے سن کر مانا اور کچوں نے جھوٹ جانا۔ یعنی کامل ایمان والوں نے خدا کی لامحدود طاقت و قدرت کے پیش نظر اسے سچ مان لیا اور ایمان سے تہی دستوں نے اسکا انکار کر دیا کہ چند ساعتوں میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے ساتوں آسمانوں کے عجائباتِ قدرت دیکھ کر کیسے واپس آ گئے حکیم الامت حضرت تھانوی رح ارقام فرماتے ہیں کہ بیت المقدس تک جانے کا منکر کافر ہے اور مُاوِّل بلتدع ہے۔ عروج روحانی آپکو کئی بار ہوا ہے تاکہ اس معراج اعظم کی استعداد اور قوت برداشت آپ میں پیدا ہو۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رض کا یہ فرمانا کہ ما فقد محمد ﷺ کا مطلب تلاش کرنا اور گم کرنا ہے قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَیْہِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ (یوسف - ۷۱) وہ انکی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ تفقدون۔ تطلبون - قالوا تفقد۔ نطلب (صواع الملک) یعنی معراج سے اس قدر جلدی واپسی ہوئی کہ کسی کو آپکے غائب ہونے کی اطلاع بھی نہ ہوئی جو تلاش کی نوبت آتی کہ آپ کہاں تشریف لے گئے۔ دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس رات کسی نے گھر سے غائب اور گم نہیں پایا۔ یہ درست ہے کیونکہ جب آپ تشریف لے گئے اس وقت سب گھر والے سو رہے تھے اور ان کی بیداری سے قبل ہی واپسی ہو گئی۔ نبی علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہی تک سفر کر کے میں مکہ میں واپس آ گیا۔ ثم اتیت بمکۃ۔

کتاب وسنت کے ماہرین علماء کرام جانتے ہیں کہ لفظ سبحان اللہ کلمہ تعجب وتحسین ہے جو موقع تعجب پر بولا جاتا ہے۔ اللہ کی عیوب ونقائص سے پاکی بیان کرنا موقع تعجب کے لیے ہے۔

سفر اسرار ومعراج کے شک وریب کے مریضوں کی تداوی اور اہل ایمان کی تحسین یقین کے لیے پروردگار نے فرمایا ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى — پیغمبرؐ کے قلب نے کوئی غلطی نہیں کی دیکھی ہوئی چیز میں۔ ترجمہ دریابادیؒ

جھوٹ نہیں کہا رسولؐ کے دل نے جو دیکھا تھا (ترجمہ شیخ الہندؒ)

(پیغمبر کے) دل نے جھوٹ نہیں کہا تھا جو دیکھا تھا۔ (ترجمہ حضرت لاہوریؒ)

جو دیکھا اس میں پیغمبر کے دل نے جھوٹ نہیں کہا۔ (مولانا محمد جوناگڑھی اہلحدیثؒ)۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۔ — کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔

اگرچہ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے اس سے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کا دیکھنا مراد لیا ہے لیکن قرآن کریم کے ماقبل اور مابعد کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے کہ عجائباتِ قدرت کی سیاحت فکری یعنی حالات وواقعاتِ عجیبہ سے باخبر ہونے اور عجائباتِ قدرت میں غور وفکر کرنے کے لیے انہیں دیکھنا دکھانا اور جبرئیل علیہ السلام دونوں کا دیکھنا مراد ہے۔ کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى — نہ تو نگاہ ہٹی اور نہ حد سے بڑھی

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (النجم) — یقیناً اُس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

تعجب کی بات ہے کہ موجود دین سے لیکر آج تک کج فہم اور زائغین، پیغمبر علیہ السلام کے سفر اسرار و معراج کی بابت جھگڑتے اور کج بحثیں کرتے چلے آرہے ہیں کہ اتنے قلیل وقت میں اتنا طویل سفر اور اتنی عجائبات قدرت کی اتنی بڑی بڑی نشانیاں اور جبریئیل کو کیسے دیکھا جاسکتا ہے اسی کج فہمی میں سرسیدؒ نے واقعہ معراج کو خواب و خیال سے منسوب کردیا۔ حالانکہ پیغمبر علیہ السلام کا اس حکیمانہ سفر معراج میں عجائبات قدرت کو اور جبریئیل کو دیکھنا کوئی سنی سنائی یا خیال و گمان کی ہوئی بات نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی لامحدود قدرت کاملہ کی نگرانی میں خوب اچھی طرح دیکھی بھالی جانچی پڑتالی ہوئی اور تخیلات و معقولات و مسموعات کے عالم سے کہیں آگے گزر کر پیغمبر علیہ السلام کے دائرہ مشاہدات میں سبق آموزی کے لیے آچکی ہیں۔ علامہ مرحوم و مغفور نے خوب کہا ہے کہ ؎

روشن ہے وہ کہکشاں سے بڑھ کر
جس راہ سے ہے مرور تیرا

اور ؎ نیچری سے کوئی پوچھے الحاد کی ترکیب
دین چھوڑا ہے کس ٹھاٹھ کس اعزاز کیساتھ

جنات کی مخلوق ہونے کے سرسیدؒ منکر ہیں!

سرسید ایسے حق ناشناس اور ہٹ دھرم ہیں کہ کسی کی سننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ کہتے ہیں عربی لغت ظنی علم ہے اسکا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن حکیم کی جن آیات میں جنوں کی مخلوق و موجود اور متحیز ہونے کا ذکر ہے انکے تحت ہی سانپ کی لکیر پیٹتے جاتے ہیں کہ جنوں کا مخلوق و موجود و متحیز ہونا قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں۔ اسی طرح جہاں جنت و دوزخ کا تذکرہ

ہے وہاں ہی کہتے ہیں کہ جس جنت کو علماء اسلام اور تمام مسلمان مانتے ہیں وہ قرآن سے ثابت نہیں کما سیاتی۔ ارشاد ربانی ہے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ	اے جنوں کی اور انسانوں کی جماعت
اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ	کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول
یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ	تمہی میں سے کہ سناتے تھے تم کو میرے
وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ	حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے
هٰذَا، الخ (الانعام)	پیش آنے سے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ۔ یا معشر الجن والانس۔ کا خطاب قیامت کے دن ہوگا۔ یہ خطاب بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ جنات کی بھی انسانوں کی طرح ایک مکلف مخلوق ہے جو اپنے اعمال کی قیامت کے دن خدا کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوا ہے کہ انسانوں کی طرح جنوں میں بھی انبیاء کرام مبعوث ہوتے رہے ہیں؟ یہ سوال۔ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ نے ایک بڑی سوالیہ بحث پیدا کردی ہے کہ آیا جنات کے درمیان بھی سلسلۂ نبوت قائم رہا ہے؟ ضحاک تابعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا ہمارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے جنات میں بھی نبی ہو گزرے ہیں؟ جواباً آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا یعنی بذلك رسلا من الجن والانس۔ انظر۔ تفسیر ابن جریرؒ یعنی جنوں میں سے بھی رسول ہوتے ہیں۔ اور انسانوں میں سے بھی۔ اس آیت کے تحت علامہ بیضاویؒ اور علامۃ الدھر حضرت نسفیؒ نے بھی یہی ارقام فرمایا ہے کہ جن وانس کے درمیان انہی کے ہم جنس پیغمبرانِ عظام علیہم السلام آتے رہے ہیں۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ فضائل نبوی میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ جس طرح انسانوں کے لیے خدا کے رسول ہیں اسی طرح آپ جنوں کے لیے بھی خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں چنانچہ

بہت سے جنات آپ پر ایمان لائے۔ علامہ بیہقیؒ نے دلائل النبوت میں بہت سے جنات صحابیوں کے اسمائے گرامی گنائے ہیں تفسیر عزیزی میں جو اچھا جن صحابیوں کے نام مرقوم ہیں۔ اگر جنوں میں کبھی کوئی نبی ہوا ہی نہیں تو پھر نبیؐ کی یہ عالمگیر رسالت کی فضیلت بھی نہ ہوئی۔ نیز قرآن کریم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر قوم میں نبی بھیجے گئے تھے۔ اور جنات کی بھی ایک قوم ہے۔ لیکن جمہور کا فیصلہ یہی ہے کہ مستقل انبیاء کرام صرف انسانوں میں ہی پیدا ہوتے رہے ہیں اور جنات میں انکے صرف نائب اور نذیر و بشیر ہوتے رہے ہیں: مگر حقیقت یہ ہے کہ اجماع اس پر بھی نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی حجّت قطعی قائم ہے۔

اس مذکورہ آیت کے تحت سر سید خان بہادر صاحب نے اپنی عادت کے مطابق تقلّب و تخرب کر کے قرآن حکیم کے صاف شفاف حقائق کو مکدّر کرنے کی گھناؤنی کوشش کی ہے چنانچہ خان بہادر صاحب خامہ فرسا ہیں۔ تمام علماء اسلام نے جنوں کی جدا گانہ ایسی ہی مخلوق قرار دی ہے جیسے کہ انسانوں کی مگر قرآن مجید سے جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا ثبوت نہیں۔

جن اور جس قدر الفاظ اس مادہ سے بنے ہیں ان سب کے معنی پوشیدہ مستور عن الاعین، چھپے ہوئے غیر مرئی (نا دیدہ) کے ہیں۔ بشرکین عرب تمام اُن واقعات کو جنکے وقوع کے اسباب انکو معلوم نہ ہوتے تھے اور جمادیوں کو جنکا سبب وہ نہ جانتے تھے غیر معلوم یا غیر مرئی مؤثر کا خیال کرتے تھے اور انکو لفظ جن سے تعبیر کرتے تھے۔ اب بھی جاہل آدمی بیمار پر آسیب جن بھوت کا اثر خیال کرتے ہیں۔ (تفسیر القرآن صہ ۵۹ ج ۲)

قرآنی حقائق و دقائق کو الٹ پلٹ کرتے کرتے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مطابق اور بھکڑ بازی کرتے ہوئے کتاب الاول سلاطین باب پنجم اور کتاب

دوم تاریخ الایام۔ جو اسرائیلی مزعومات ومظنونات سے ہی بھری پڑی ہیں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سوائے بنی اسرائیل کے جو لوگ فلسطین میں غیر قوم کے پہاڑوں و جنگلوں میں رہتے تھے ان میں سے حضرت سلیمان نے ستر ہزار آدمیوں کو حمالی[1] پر اور اسّی ہزار کو درخت کاٹنے اور پہاڑوں میں سے پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا یہ سب بیگار[2] میں پکڑے گئے ہونگے۔ (انہی جنوں نے حضرت سلیمان کا مرنا معلوم کر کے ضرور کہا ہوگا کہ

لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین

آگے اپنے رکن رکین اور ندیم حمیم۔ مولوی چراغ علی جنکا تعارف اوپر کرایا جا چکا ہے کہ ایک رسالے کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان کے قصہ کو مولوی چراغ علی صاحب نے جو عربی اور عبرانی زبان سے بخوبی واقف ہیں ایک رسالہ نہایت عمدگی سے لکھا ہے جسکو ہم حضرت سلیمان کے قصہ میں بہ تفصیل لکھیں گے اس مقام پر صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ ان آیتوں میں جو جن کا لفظ آیا ہے اس سے وہ پہاڑی و جنگلی آدمی مراد ہیں جو حضرت سلیمان کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے اور جن پر بہ سبب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسانوں سے جنگلوں میں چھپے رہتے تھے اور نیز بہ سبب قوی اور طاقتور

---

[2] یہ بھی سید کے مزعومات ومظنونات کسید؟ میں سے ہے کیونکہ کسی آدمی کو بیگار میں پکڑ کر اس سے کام لینا ظالم اور جاہل حکمرانوں کا شیوہ ہے اور پیغمبر تو عدل و انصاف کا پیکر اعظم ہوتا ہے لہذا یہ پیغمبر پر بہتان عظیم اور گستاخی ہے۔

---

[1] بوجھ لانے لیجانے والے قلی۔ اٹھانے پر

اور محنتی ہونے کے جن کا اطلاق ہوا ہے پس اس سے وہ جن مراد نہیں جن کو مشرکین نے اپنے خیال میں ایک مخلوق مع ان اوصاف کے جو انکے ساتھ منسوب کئے ہیں مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن صـ ۶۷-۶۸ ج ۳ از سر سید بلفظہ۔ درحقیقت یہ سید کی ژاژ خائی و ردو قدر اور نا بہرہ وہو ہوم و کلام نا رُہ کے سوا کچھ نہیں۔ بے ہودہ باتیں۔ الٹ پلٹ۔ خالی از عقل وہم کیا ہوا وہمی۔ کھوٹا کلام یہاں جنوں کی بابت سید صاحب کی ہزلیات کو ملاحظہ کرنے سے پہلے اس کی تمہید توطیہ بنظر امعان و بچشم بصیرت ملاحظہ فرماتے چلیئے تاکہ جنات اور فرشتوں کی مخلوق کی حقیقت کو سمجھنا آسان ہو جاتے۔

تنقیح تخلیق جنات

مذہب اسلام و عقل سلیم اور سائنسی نظریات سے جنات و ملائکہ کا وجود موجود ہونا توضیح کے ساتھ ثابت ہے۔ خدائے واحد کے آخری رسول ؐ نے بذریعہ قرآن و حدیث امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو یہ تصور و تعلیم دی ہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی ایک مکلّف مخلوق موجود ہے جو اللہ تعالےٰ کے ہاں انسانوں کی طرح اپنے اعمال کی جواب دہ ہے۔ کما سیاتی

لیکن سر سید جنوں کی مخلوق کے موجود و متحیز ہونے کے منکر ہیں وہ اسے قوت بہیمیہ بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے وہم اور علماء کے ایک کھیل کے سوا کچھ نہیں۔ کما سیاتی۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو یہ تعلیم دی ہے کہ جنوں کی بھی ایک مکلّف مخلوق موجود ہے۔ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی اس پر ایمان تھا اور چودہ سو سال سے ساری امت کا اس پر ایمان چلا آرہا ہے لیکن پوری امت کے خلاف ایک سر سید ہی کی شخصیت ایسی ہے جو مسلمان کہلوانے کے باوجود فرشتوں اور جنوں کی مخلوق کے موجود ہونے کے منکر

---

[1] جن کا معنی جب پوشیدگی ہے تو پھر یہ پہاڑی جنگلی آدمی جن نہ رہے کیونکہ جنگل میں جانے والے انسانوں کو بر نظر آتے تھے۔

ہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ مذہب اسلام و عقل سلیم اور سائنس تینوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انسانوں کی طرح جنوں کی بھی مخلوق موجود ہے۔ قرآن حکیم اور تمام کتب سماویہ میں وضاحت و صراحت کیساتھ جنوں کی مخلوق و موجود ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس غیر مرئی، نادیدہ مخلوق کی نشان دہی کی گئی ہے۔ قرآن کریم سن کر جنوں کے ایمان لانے کی تصریح خود قرآن حکیم میں موجود ہے لیکن سید خان بہادر نے اس سے انحراف و انکار کر کے اس کی دور از کار تحریفانہ تاویل کر کے اس سے صاف صاف انکار کیا ہے سر سید کے ترشحات فکر اور تراوش ذوق حقیقتاً ملاحدہ کے نظریات کی وکالت و ترجمانی کے سوا کچھ نہیں۔

عقل سلیم اور عقل سقیم

عقل سقیم اور دہریت کسی چیز کو اس وقت تک تسلیم ہی نہیں کرتے جب تک کہ وہ اسے جسمانی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں یا حواس خمسہ کے ذریعہ محسوس نہ کریں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اسکے وجود کے نہ ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ بہت سی اشیاء ایسی ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔ لیکن اگر وہ اسلام سے تعلق رکھتی ہے تو مخبر صادق کے ارشاد و خبر کی بناء پر اور اگر وہ شعبۂ تکوینیات سے تعلق رکھتی ہے تو اسکے ماہر کی تصدیق پر عقل سلیم کو تسلیم ہے مثلاً مہلک جراثیم ہمیں نظر نہیں آتے لیکن ڈاکٹر علم الابدان کا عالم اور فلکیات کے متعلق ہو تو فلکیات کے ماہر کے کہنے پر عقیل و فہیم کی عقل سلیم اسے فوراً تسلیم کر لیتی ہے۔ پھر دیکھئے سانپ کے ڈھسنے سے انسان بلکہ ہر جاندار کو زہر چڑھ جاتا ہے اور چھو منتر کرنے اور تریاق کے دینے سے زہر زائل تو ہو جاتا ہے۔ لیکن زہر کسی کو نظر نہیں آتا۔ یہی معاملہ نظام شمسی اور دوسرے سیاروں کا ہے جنکی کیفیات کو انکے ماہرین اور کتاب و سنت کے ارشادات قائمہ کی بناء پر عقل سلیم کو تسلیم ہے۔

سائنسی علوم سے بھی جنات و فرشتوں کی مخلوق کا موجود ہونا ثابت ہے

علم سائنس کی عمارت عموماً تین اجزار پر قائم ہوتی ہے جنکو علمار سائنس پروٹان۔ نیوٹران اور الیکٹران کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن آج تک کوئی ایسا آلہ مبصر ایجاد نہیں ہوا جو ان عناصر ثلاثہ کی مکمل شکل وصورت انسانوں کو دکھا سکے مسلمان سائنس دان یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے ارشادات اور پیغمبر آخرالزمان سعادت نشان صلے اللہ علیہ وسلم کے شارحانہ فرمودات سے یہ بات اجلیٰ واسنیٰ اور اصفیٰ طور پر ثابت ہے کہ جس طرح انسان کی تخلیق ہوا۔ مٹی اور پانی سے ہوئی ہے۔ اسی طرح قرآنی ایما کے مطابق جنات کی تخلیق میں مٹی اور پانی کی بجائے سلفر یعنی گندھک اور باد سلیکون - SILICON - کی جگہ - HOT AIR - گرم ہوا۔ اور پانی کی جگہ فلورین گیس جیسے تین اجزار کو کام میں لاکر جنات کی تخلیق کی گئی ہے جس کی طرف قرآن حکیم نے کئی بار ایمار کیا ہے۔ پھر علمار سائنس گرم ہوا کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ گرم ہوا (نار سموم) یا گیس بھی عام ہوا کی طرح خلا میں موجود ہے لیکن عام ہوا۔ اور نار سموم میں فرق یہ ہے کہ عام ہوا میں حدت، تابکاری اور دھوئیں وغیرہ کے اثرات شامل ہوتے ہیں۔ اور نار سموم خالص گیس کی شکل میں خلار کے اندر موجود ہے - نار سموم جو ایکسریز - X - RAYS - کی لہروں کی طرح ٹھوس ترین اجسام میں سے گزرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ نے بار بار فرمایا ہے کہ ہم نے جنوں کو آگ سے پیدا کیا ہے۔ جنات کی مخلوق کے پیدائشی اجزار میں نار سموم موجود ہوتی ہے اسی لیے جنوں کی مخلوق میں بھی ٹھوس ترین اجسام میں سے گزرنے کی صلاحیت موجود ہے اور بفرمان قرآن حکیم شیطان بھی جنوں میں سے تھا۔ ارشاد ہے۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ط (الکہف - ۵۰)

(ابلیس یعنی شیطان) جنات میں سے تھا۔ سو اپنے پروردگار کے حکم سے نافرمانی کر بیٹھا۔

فَفَسَقَ میں فا سببیہ ہے یعنی جن ہونے ہی کی بنا پر تو اس نے نافرمانی و سرکشی کی کیونکہ جن آگ سے پیدا ہوا ہے اور وہ ناری مخلوق ہے اسی لیے اس میں سرکشی کا عنصر غالب تھا۔ اور ہے۔ قرآن کریم کی اتنی واضح صراحت و تصریح کے بعد بھی شیطان کو فرشتوں میں سے سمجھنا سفیہانہ جہالت ہے۔ فرشتوں کی مخلوق جب ہے ہی خدا تعالےٰ کی اطاعت و عبادت پر مجبول و مفطور تو پھر اسکا کوئی فرد نافرمانی کیسے کر سکتا ہے۔ فافهموا و تدبروا و تفکروا۔

ہاں خدا تعالےٰ کا کمال درجہ کا مطیع و منقاد ہونے کی وجہ سے فرشتوں میں بھی شامل رہا ہے۔ جنوں کے اسی تخلیقی فلسفہ کی بنا پر سرور دو عالم خواجۂ کیہاں صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان عام انسان کی رگ و پے میں دورانِ خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے۔ صاحب ایمان علماء سائنس تجربہ و تجزیہ کے بعد کہتے ہیں کہ سائنس کی ایک شاخ مابعد الحیاتیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فلورین گیس اور سلفر (گندھک) کی باہمی آمیزش سے ایک ایسی مخلوق جسم لطیف رکھنے والی تخلیق ہو سکتی ہے۔ جو آگ کی خصوصیت رکھتی ہو۔ نارِ سموم سے پیدا کی ہوئی جنوں کی غیر مرئی نادیدہ مخلوق میں اللہ تعالےٰ نے یہ خاصیت رکھی ہوئی ہے کہ وہ جب چاہے فضا میں بغیر سہارے کے سرعت کیساتھ پرواز کر جائے اور جب چاہے مختلف شکلیں اختیار کرتی جائے اس لیے کتاب و سنت میں جنات کا سیاروں تک جانے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہی وہ جنات کا تخلیقی فلسفہ ہے جسے سر سید نہ سمجھنے کی وجہ سے قرآن کی ان آیاتوں کا انکار پر انکار کرتے کرتے انتقال مکانی کر گئے

فافھموا و تدبروا وتفکروا یاولی الالباب۔

درحقیقت سرسید کی قرآنی علوم ومعرفت تک اور حقائق ودقائق تک رسائی نہ تھی، انکی رسائی صرف حکومت برطانیہ کے ایوان تک محدود تھی جس پر انہوں نے قوم و مذہب کو قربان کر کے رکھ دیا تھا

قرآنی علوم وحقائق تک رسائی اور علم وعرفان کے انوار وشعاعیں، انہی دلوں کی لوح پر پوری طرح منعکس ہوتی ہیں جن میں ذخائر احادیث موجود ہوں اور انکو دنیا کے تکدرات کی آلائشوں اور کفار کی رفاقت ومحبت کی کثافت سے مانجھ کر پاک وصاف کر دیا گیا ہو۔ اور خدائے پاک کے کلام کی عظمت وحکمت ان میں رچی بسی ہو۔ اور اس سے سید خان بہادر کے قلب و ذہن قطعی طور پر معرا اور خالی تھے۔ سچ ہے کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رفیق

امام بخاری علیہ سحائب الرحمت والرضوان بخاری کی کتاب بدء الخلق میں ایک باب صفۃ ابلیس وجنودہٖ ۔قائم کر کے شیطان کی کیفیت جو جو بتائی ہے اسکے تحت علامہ وحید الزمان تغمدہ اللہ برحمتہ ارقام فرماتے ہیں کہ۔

یہ باب لاکر امام بخاری نے نیچریوں کا رد کیا ہے جو شیطان کے وجود کا انکار کرتے اور کہتے ہیں ہمارا نفس وہی شیطان ہے باقی ابلیس کا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے قسطلانی نے کہا ابلیس ایک شخص ہے روحانی، جو آگ سے پیدا ہوا ہے وہ جنوں اور شیطانوں کا باپ ہے جیسے آدم آدمیوں کے باپ تھے بعضوں نے کہا وہ فرشتوں میں سے تھا خدا کی نافرمانی سے مردود ہو گیا اور جنوں کی فہرست میں داخل کیا گیا

ملاحظہ ہو تیسیر الباری صن ۳۲۲ ج ۳۔

نیچریوں اور دھریوں نے جہاں فرشتوں اور شیاطین کا انکار کیا ہے۔ ان سے تعجب نہیں، تعجب ان لوگوں سے ہے جو اپنے تئیں مسلمان کہتے ہیں اور پھر جنوں کے موجود اور تصرفات اور افعال کا انکار کرتے ہیں۔ قسطلانی نے کہا جنوں کا وجود قرآن وحدیث اور اجماع امت اور تواتر سے ثابت ہے اور فلاسفہ اور نیچریوں کا انکار قابل اعتبار نہیں۔ عبداللہ بن عمروؓ بن عاص نے کہا اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام سے دو ہزار برس پیشتر جنوں کو پیدا کیا تھا۔ (تیسیر الباری صـ ۳۲۳ ج ۳)

امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں جنوں کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے اور بہت سے جن صحابہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہما اللہ ولد ۱۱۵۹ھ موافق ۱۷۴۶ء توفی ۱۲۳۸ھ ۱۷ جولائی ۱۸۲۳ء نے تفسیر عزیزی میں سورہ جن کی تفسیر کرتے ہوئے جنوں کی مخلوق و موجود ہونے اور انکے ایمان لانے کا تذکرہ کرتے ہوتے بقرار زیر جن صحابہ کے اسمائے گرامی گناتے ہیں۔

۱۔ جن صحابی عمر بن جابرؓ۔ یہ جب فوت ہوئے تو انکی تجہیز و تکفین حضرت صفوان بن معطل نے کی تھی۔

۲۔ عمروؓ۔ کافر جنوں کی لڑائی میں جب شہید ہوتے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور انکے ساتھیوں نے ان کی تجہیز و تکفین کی تھی۔

۳۔ سرقؓ فوت ہوتے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے انکو سرو کے جنگل میں دفن کیا۔

۴۔ جنیہ صحابیہ، حز قیہؓ کو بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز روح اللہ روحہ ولد ۶۲ھ موافق ۶۸۱ء، توفی ۲۵ رجب ۱۰۱ھ نے مکہ مکرمہ میں دفن کیا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابونعیم کی دلائل النبوت، اکام المرجان فی احکام الجان۔ دلائل النبوت

بھی؟ اس ہپنوٹزم میزمر نے ہوش و حواس کے قائم ہوتے ہوئے جنات کے عاملوں کے ایسے محیر العقول عملی واقعات خود مشاہدہ کئے ہیں کہ وہ جنوں کی مخلوق و موجود ہونے کا بین ثبوت ہے اور انکو اگر قلمبند کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔

جنوں کی مخلوق موجود و متحیز ہے

سر سید سانپ کی لکیر پیٹتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ جنوں کی مخلوق کا موجود ہونا قرآن سے ثابت نہیں۔ سید کا یہ عظیم جھوٹ اور بہتان ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ارشاد خداوندی ہے کہ۔

۱۔ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔ (الحجر - ۲۷)	اور جن کو ہم اس (انسان) کے قبل گرم آگ (کی لُو) سے پیدا کر چکے تھے۔

اس سے پہلی آیت میں انسان کی تخلیق کا ذکر ہے جس میں مٹی کا عنصر غالب ہے اور جنوں کی تخلیق میں آگ کا عنصر زیادہ ہے اسی لیے ان میں شرارتیں بھی زیادہ ہیں غور فرمایا جائے کہ سید نے کتنا جھوٹ بولا ہے کہ قرآن سے جنوں کی مخلوق کا پیدا ہونا ثابت نہیں۔ والسموم الریح الحارۃ۔ لسان العرب (ص ۳۰۴ ج ۱۲) سموم۔ گرم ہوا (لُو) کو کہتے ہیں

۲۔ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ[1] مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن ۱۵)	اور پیدا کیا جن کو آگ کی لپٹ (لُو) سے

[1] المارج۔ بہت بھڑکنے والا شعلہ۔ بے دھوئیں کا انگارہ۔ انظر۔ مصباح۔
والمارج:۔ الشُّعلۃ السّاطعۃ ذات اللّھب۔ الشّدید۔ وقیل: المارجُ اللّھب المختلط بسواد النار۔ لسان ص ۳۶۵ ج ۲۔ مارجٍ من نار۔ نار لادخان لھا خلق منھا الجآنّ۔ وفی حدیث عائشۃؓ: خُلِقت الملائکۃ من نورٍ وخُلِق الجآنّ من مارج من نار۔ مارج النار لھبھا المختلط بسوادھا۔ لسان العرب ص ۳۶۶ ج ۲۔

۳۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ الخ	اور لوگوں نے اللہ کا شریک جنات کو کو قرار دے رکھا ہے درآنحالیکہ اس نے

انہیں پیدا کیا ہے۔ (الانعام - ۱۰۰)

جنات ایک ناری مخلوق ہیں جو خاکی مخلوق انسانوں سے بہت پہلے پردۂ گیتی پر وجود میں آچکے تھے۔ عموماً و عادتاً جنات انسان کے لیے غیر مرئی نادیدہ رہتے ہیں اور ابلیس بھی جنات ہیں سے ہے خَلَقَہُمْ سے مراد مشرکین اور جنات دونوں ہی ہیں۔ اگرچہ علامہ بیضاویؒ خامہ فرسا ہیں۔

والمعنی وقد علموا ان اللہ خلقھم دون الجنّ — یعنی حالانکہ اسی اللہ نے ان مشرکوں کو پیدا کیا ہے نہ کہ جنات نے۔

(بیضاوی ص ح)

اور مشرکین کو خود تسلیم ہے کہ ہمارا خالق اللہ ہی ہے۔ پھر مشرکین کتنے کج فہم ہیں کہ جنات کو بھی معبودیت میں شریک سمجھ رہے ہیں۔ امام محی السنہ بغویؒ یوں ارقام فرماتے ہیں۔ یعنی وھو خلق الجنّ۔ معالم التنزیل ص -

یعنی اسی خدا نے جنات کو بھی پیدا کیا ہے۔ پھر جنات خدا کی مخلوق ہو کر الوہیت و معبودیت میں بھلا کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ اس احقر الوری کے نزدیک خلقھم سے صرف جن یا صرف مشرکین مراد لینا قرآنی فصاحت و بلاغت کے مطابق نہیں بلکہ اسمیں دونوں ہی شامل ہیں۔ اور اس صورت میں خلقھم کی مراد یہ ہوگی کہ مشرکین اور جنات کا خالق اللہ ہی ہے اور دونوں اللہ ہی کی مخلوق ہیں۔ پھر خالق کو چھوڑ کر ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کو معبودیت میں شریک کر لینا کتنی بڑی حماقت ہے۔

جنوں کی مخلوق کا آگ کے شعلہ (لُو) سے پیدا ہونا جس صراحت و وضاحت کے ساتھ یہاں قرآن کریم میں مذکور ہے اس سے بڑھ کر اور اس سے آگے صراحت و وضاحت کا کوئی اور درجہ کیا ہو سکتا ہے۔ حیرت ہے کہ ایسی ایسی کھلی اور متعدد صراحتوں اور وضاحتوں کے باوجود بھی سر سید اور انکے اعوان والانصار جنوں کی مخلوق و موجود ہونے کا انکار ہی کرتے چلے گئے ہیں۔ اور چلے جا رہے ہیں۔ انکی کوشش یہی رہی ہے اور

ہے کہ جس طرح بھی ہو کھینچ تان کر اور لغت عربی کو ظنی کہہ کر اور نصوص قرآنی کی بابت یہ کہہ کر کہ علماء اسکا معنی نہیں سمجھے۔ اور جس طرح بھی ہو سکے نصوص قرآنی اور عربی لغت اور علماء سے نورا کشتی لڑلڑا کر جنات کو انسان ہی ثابت کر دکھایا جائے یہ اس لیے اور محض اس لئے کہ سر سید کے سفید فام آقا کو ابھی اپنی تحقیق ناقص سے جنات کے وجود و موجود ہونے کا ثبوت مہیا نہیں ہو سکا۔ اکبر الہ آبادی مرحوم بھی کیا خوب پتے کی بات کہہ گئے ہیں کہ ؎

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز

جغرافیہ میں عرش کا نقشہ نہیں ملا !

قرآن کریم نے جن و انس کی تخلیق کا سلسلۂ ثبوت ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ جن بھی انسانوں کی طرح ایک مکلف مخلوق ہے اور جنات بھی مادی و روحانی آلاء و نعماء سے اسی طرح مستفید ہوتے چلے آرہے ہیں کہ جس طرح انسان ان سے مستفید و مستفیض ہوتے چلے جارہے ہیں۔ سر سید کی ہٹ دھرمی اور ضد کی بھی کیا شان ہے کہ قرآن حکیم کی کرّات و مرّات تصریحات کے باوجود بھی فرشتوں اور جنوں کی مخلوق کے موجود ہونے کا انکار پر انکار ہی کرتے چلے گئے ہیں نہ جنت کا مخلوق و موجود ہونا تسلیم کیا اور نہ دوزخ کا۔

۴۔ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (الذاریات۔ ۵۶)

اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

حضرت دریابادیؒ اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔ اَلْجِنَّ وَالْاِنْسَ۔ مخلوق کی یہ دو قسمیں ایسی ہیں جن میں خالق نے پورا احساس ذمہ داری رکھ دیا ہے۔ اور انکے اندر ابتلاء و اختیار دونوں کی صلاحتیں جمع کر دی ہیں۔ بخلاف فرشتوں کے جو ابتلاء سے خالی رکھے گئے ہیں۔ غور فرمائیے سر سید سانپ کی لکیر پیٹتے

جاتے اور کہتے جاتے ہیں کہ قرآن مجید سے جنوں کی مخلوق کے پیدا ہونے اور موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں بتائیے اس سے بڑھ کر جنوں کی مخلوق موجود ہونے کا اور کون سا ثبوت ہو سکتا ہے۔؟ کیا انسان کی قوت ملکہ یا قوت بہیمیہ بھی کبھی مکلف ہو کر عبادت کرنے پر مامور کی جا سکتی ہے ؟

قرآن ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ شیطان جنوں میں سے ہے اور روایات میں ہے کہ کثرت عبادت گزاری کی وجہ سے فرشتوں میں شامل تھا پھر تمرد و طغیان اور کفر و عصیان کی وجہ سے فرشتوں کی جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ شیطان کی تخلیق کے متعلق ارشاد ہے۔

اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک بشر مٹی کا بناتا ہوں جب اس کا ڈھانچہ تیار کر کے اس میں اپنی روح پھونک دوں تو سب اسے قبلہ تصور کر کے مجھے سجدہ کرنا۔ پھر تمام فرشتوں نے آدم رخ ہو کر اللہ کو سجدہ کیا۔ لیکن شیطان نے سجدہ نہ کیا تو آفریدگار نے پوچھا کہ تو نے تکبر کیا ہے یا تو درجہ میں بڑا تھا؟ شیطان نے جواب دیا کہ۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔	بولا میں بہتر ہوں اس سے۔ مجھے پیدا کیا تو نے آگ سے اور اس کو پیدا کیا مٹی سے۔

(ص - ۷۶ - الاعراف - ۱۲)

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ابلیس بھی جنّات میں سے تھا اور اس آیت میں صاف واضح ہے کہ شیطان کو بھی آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ سر سید جو سانپ کی لکیر پیٹتے ہوئے یہی کہتے رہے ہیں کہ شیطان کی کوئی مخلوق موجود نہیں بلکہ انسان کی قوت بہیمیہ کو بلفظ شیطان تعبیر کر دیا ہے لیکن یہ آیت تو اعلان کر رہی ہے کہ شیطان ایک ناری مخلوق ہے سر سید نے اب بتائیے کہ شیطان کی مخلوق کا انکار کر کے قرآن

کا انکار کیا ہے کہ نہیں ؟

۶- وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ۔ (النمل - ۱۷)

اور سلیمان کے لیے انکا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انہیں صف بندی کے لیے روکا جاتا تھا۔

اس آیت میں سرسیّد کا یہ بھی رد ہو گیا کہ جن جنگلی انسان نہیں بلکہ انہیں انسانوں اور طیور کے مقابلہ میں لاکر ثابت کر دیا گیا ہے کہ جنات انسانوں کے علاوہ ایک ناری مخلوق ہے۔

النمل - ۱۷ میں خالق کائنات نے یہاں جنّ ۔ اِنس اور طیر (پرندوں کے) الگ الگ تین اقسام کے لشکر بیان کئے ہیں اور تینوں پر الف لام، تعریفِ جنس کے لیے لاکر یہ بات واضح کر دی کہ تینوں قسمیں الگ الگ جنس سے تعلق رکھتی ہیں لہٰذا لامحالہ، الجنّ اور الطیر ۔ دونوں - الانس میں شامل نہیں ہو سکتے ۔ بلکہ وہ اس سے مختلف دو الگ الگ اجناس ہی ہو سکتی ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ۔ تفہیم القرآن ص ۵۹۳ ج ۳۔ مدارک التنزیل ص ۲۰۵ ج ۳۔ معالم التنزیل ص ۶۵۵ ۔

جنات و شیاطین غیر مرئی نادیدہ مخلوق ہے

جنات و شیاطین کی بابت اللہ تعالٰے نے قرآن حکیم میں بتا دیا ہے کہ وہ غیر مرئی، نادیدہ مخلوق ہے

اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ (الاعراف - ۲۷)

بے شک وہ (شیطان) خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔

اس آیت کریمہ نے یہ بات اور صاف کر دی ہے کہ فرشتوں کی طرح

جنّات بھی ایک غیر مرئی ناری مخلوق ہے فرق صرف یہ ہے کہ فرشتے نوری مخلوق ہے جو جنّات سے کہیں زیادہ لطیف اور طاقتور ہے۔ کمامر۔ جنّ کے معنی ہی پوشیدہ کے ہیں۔ بلکہ اس مادہ سے بننے والے اکثر حروف کے معانی بھی پوشیدہ کے ہیں مثلاً جنت، جہنم کے معنی بھی پوشیدہ کے ہیں یعنی مجرموں وسرکشوں کا آخرت میں رہنے کا مقام۔ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو اسے جنین اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بھی اپنے وجود اور کیفیات کے لحاظ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ ڈھال کو بھی جُنّہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدمی کو چھپا لیتی ہے اور آدمی اس کے پیچھے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

جنن۔ جنّ الشئ یجنّہ جنّا، سترہ۔ و کل شئ ستر عنك فقد جُنّ عنك و جنّہ اللیل یجنّہ جنّا و جنونا و جنّ علیہ یجنّ بالضم و فی الحدیث۔ جنّ علیہ اللیل ای سترہ و بہ سمی الجنّ لاستارھم و اختفائھم علی الابصار و منہ سمی الجنین لاستارہ فی بطن امہ

انظر، لسان العرب ص۹۲ ج ۱۳۔

جنات کی ایک جماعت نے نبیؑ سے قرآن سنا اور ایمان لے آئی مگر نبیؑ کو اسکی خبر تک نہ ہوئی

پہلی بار حاضری کے وقت جنات پیغمبر خدا کے لیے بھی غیر مرئی یعنی نادیدہ ہی رہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے جنات آسمانوں[۱] یعنی سیاروں تک بلا روک

[۱] کل ما علاك فھو سماء۔ ہر چیز کی چھت۔ اور ہر وہ چیز جو اوپر ہو وہ آسمان ہے۔

ٹوٹ جایا کرتے تھے۔ اور وہاں آسمانی خبریں چرانے کے لیے چھپ کر بیٹھ جاتے تھے پھر لوح محفوظ کی بلندیوں سے جو احکامات زمین اور سیاروں کے شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے فرشتوں کو ملتے تھے۔ اس وحی الٰہی میں سے جو ایک آدھ حکم سن لیتے تو اسکے ساتھ اپنے تخمین وظن کی دس باتیں ملاکر کاہنوں کو آکر بتاتے تھے پھر وہ وحی الٰہی سے استراق السمع کی ہوئی (چرائی ہوئی آسمانی خبر) جب سچی ثابت ہو جاتی تو لوگ کاہنوں اور جنوں کو عالم الغیب تصور کرتے تھے، پھر اس طرح لوگوں نے جنوں کو بھی خدا کی خدائی میں شریک وانباز سمجھ لیا تھا۔ اس وقت جنات وشیاطین کو آسمانوں تک پہنچنے میں کوئی چیز عائق وحائل نہ تھی۔ نبی آخرالزمان سعادت نشاں صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دین اسلام کی تنقیح کے لیے اللہ تعالےٰ نے جنات کا آسمانوں تک جانا موقوف کر دیا۔ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ۔ (الملک - ۵)

اور ہم نے بیشک قریب کے آسمان کو چراغوں سے مزین کر رکھا ہے۔ اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔

ستاروں کے رجم شیاطین سے یہ لازم نہیں آتا کہ بجنسہٖ کوئی ستارہ ہی شیطان کو پھینک مارا جاتا ہو۔ بلکہ یہاں رجم سے وہی مراد انسب واصوب معلوم ہوتی ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں ارقام فرمائی ہے کہ۔ ممکن ہے کہ ملائکہ اجزاء ہوا و بخارات کو ستاروں سے روشن کر کے

بقیہ ص ۱۳۴ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا۔۔۔۔ فُصِّلَت - ۱۲ - اور ہر آسمان میں اس کے مناسب حکم بھیج دیا۔

شیاطین کو مارتے ہوں۔ انسانی عقل سے مافوق کوئی طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔

فافھموا وتدبروا و تفکروا۔ بہر صورت اللہ سبحانہ العزیز وحی آلٰہیہ کو کاہنوں اور شیاطین کے مزخرفات سے پاک وصاف رکھنے کے لیے کوئی بھی طریق کار اختیار کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ رجم واستراق کی بابت دوسری جگہ یوں فرمایا ہے کہ۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ۨ الْکَوَاکِبِ۔ وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ۔ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ یُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ

(الصّٰفّٰت۔ ۶ تا ۱۰)

بے شک ہم نے آراستہ کیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی آرائش کے ساتھ اور ہر شریر شیطان سے حفاظت کی غرض سے (بھی) وہ عالم بالا کی (اخبروں، باتوں کی) طرف کان بھی نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے مار کر دھکے دے دیتے جاتے ہیں۔ اور اُن کے لیے عذاب دائمی ہوگا مگر ہاں جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگا تو ایک دھکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ لیتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی تغمدہ اللہ برحمتہ ولد شعبان ۱۳۱۰ھ موافق مارچ ۱۸۹۲ء توفی صفر ۱۳۹۸ھ موافق جنوری ۱۹۷۸ء۔ ان آیاتوں کے تحت یوں خامہ فرسا ہیں کہ۔ یہ روک تھام کس چیز سے کردی گئی ہے؟ یہی نا کہ عالمِ بالا کی باتوں اور فرشتوں کی باہمی گفتگو سے۔ یُقْذَفُوْنَ..... دُحُوْرًا یعنی جو شیطان جدھر سے بھی جانے کی کوشش کرتا ہے، اسی طرف سے مرجوم کیا جاتا ہے۔ اسکے پیچھے ایک شعلہ لگ جاتا ہے جو اسے جلا پھونک کر رکھ دیتا ہے

گویا اگر کوئی شیطان آسمانی خبر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس خبر کے حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اس خبر کے پہنچانے اور پھیلانے میں تو بہر حال ناکام (ہی) رہتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ستارے جس مادہ سے بنے ہیں اس میں کوئی خاص صلاحیت و قوت آگ سے بنے ہوئے شیطانوں کے مارنے اور بھگانے کی بھی ہے۔ ماجدی بتغیر یسیر۔ اور ارشاد ہو رہا ہے کہ۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ۔

(الحجر ۱۶، ۱۷، ۱۸)

اور بالیقین ہم نے آسمان میں بڑے ستارے بنائے۔ اور اسے دیکھنے والوں کے لیے ان سے آراستہ کر دیا اور ہم نے اسے ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا ہاں اگر کوئی بات چوری چھپے سن بھاگے تو اسکے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے۔

ان ارشادات سے ثابت ہوا کہ ستاروں کے تین کام ہیں

اولاً:۔ آسمان کی زینت۔ اگر ستاروں، سیاروں سے اسے مزین نہ کیا جاتا تو آسمان ایک ہیبت ناک منظر پیش کرتا ہے۔

ثانیاً:۔ رجم شیاطین۔ برائے حفاظت

ثالثاً:۔ اگر سورج، چاند، ستارے نہ ہوتے تو زمین سونی پڑی ہوئی ہوتی۔ گویا ان سے زمین کو سبزہ زار رکھا جاتا ہے۔

یہاں علامہ دریابادیؒ خامہ گزار ہیں کہ۔ ستارہ پرست مشرکین کا رد کر دیا گیا ہے کہ یہ اتنے بڑے بڑے روشن چمکدار ستارے اور سیارے نہ خود آفریدہ ہیں اور نہ کوئی دیوی دیوتا ہیں۔ بلکہ تمام تر خدائے واحد کی مطیع و منقاد مخلوق ہی ہیں۔

جو مقررہ وقت میں اپنے اپنے دائرہ میں آ اور جا رہے ہیں۔ خُدا کی صناعی اور قدرت کاملہ نے دنیا کی تمام رونقیں اور نشو و نما کو سیاروں سے وابستہ کر رکھا ہے گویا سورج چاند ستارے اور سیارے سب اللہ تعالےٰ نے انسان کی خدمت میں لگا رکھے ہیں۔ علامہ شرف الدین مصلح بن عبداللہ رح المعروف بہ سعدی شیرازی ولد ۵۸۹ھ توفی ۶۹۱ھ نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے کہ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتۂ و فرماں بردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

ابر، ہوا، چاند، سورج، آسمان (تیرے) کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تو روزی حاصل کرے اور غفلت سے نہ کھائے۔ سب تیرے لیے پریشان ہیں اور تابعدار ہیں۔ انصاف کے مناسب نہ ہوگا کہ تو اللہ کا حکم نہ مانے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔
(الجاثیہ - ۱۳)

اور اُس نے تمہارے لیے مسخّر (تابعدار) بنا لیا ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کو اپنی طرف سے بیشک اس میں ان لوگوں کیلئے نشان ہیں جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔

اسکے تحت علامہ دریا بادی رحمہ اللہ ایک فلسفیانہ پتے کی بات ارقام فرما گئے ہیں کہ اس آیت نے اسے صاف کردیا کہ سورج، چاند، ستارے، ہوا، خشکی تری، فضا کی جتنی بھی قوتیں ہیں۔ انسان ان سب کو اپنے کائناتی تصرف میں لائیگا اور جوں جوں قوانینِ فطرت کا زیادہ رازدار ہوتا جائیگا۔ دوں دوں حقیقت نظر

کا زیادہ رازدار ہوتا جائیگا اور منشاء فطرت اور زیادہ پورا ہوتا جائےگا۔ اور آتشی سنگباری کے ذریعہ شیطان کی رسائی وہاں تک نہیں ہونے دیتے اور شہاب ثاقب کے اثر سے شیاطین ہلاک یا بدحواس ہوجاتے ہیں۔ اہل سائنس کا یہ قول کہ فضا میں بڑے بڑے وزنی پتھر چکر کھایا کرتے ہیں اور وہ ہوا سے رگڑ کھاکر روشن ہوجاتے ہیں اور کہیں ٹوٹ کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ قرآن کی بتائی ہوئی حکمت کے ذرا بھی منافی نہیں۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر جنات شیاطین کا آسمانوں پر جانا آتشیں سنگباری سے موقوف کردیا گیا تو ان کے سردار نے کہا کہ دنیا میں کوئی عجیب وغریب واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے اس لیے ہمارا آسمانوں پر جانا موقوف کردیا گیا ہے اس واقعہ کو معلوم کرنے کے لیے جنات کی جماعتوں کو اطراف واکناف عالم میں ادھر اُدھر دوڑا دیا تو ان میں سے جو جماعت عرب میں بھیجی گئی تھی۔ وہ پھرتی پھراتی جب بطن نخلہ میں پہنچی تو وہاں نبی علیہ السلام صحابہ کرام کیساتھ عکاظ کی منڈی میں جاتے ہوئے وہاں عشاء[1] کی نماز پڑھا رہے تھے کہ جنات کی تفتیشی جماعت آناً فاناً وہاں آنکلی اور قرآن کی آواز کان پڑتے ہی سمٹ کر قرآن سننے میں محو ومنہمک ہوگئی اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ خاموشی کے ساتھ سنو۔ جنوں کا یہ پہلی بار قرآن سننا تھا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہی نہ ہوا کہ جنات انکا قرآن بڑے انہماک سے سن رہے ہیں، نہ ہی آپ جنوں کو قرآن سنانے کی غرض سے اس دفعہ یہاں تشریف لائے تھے۔ جنات کی تفتیشی جماعت قرآن سنتے ہی سمجھ گئی کہ نزول قرآن ہی کی وجہ سے

---

[1] ایک روایت میں صبح کی نماز کا ذکر ہے جو کہ بعد کا واقعہ ہے۔ سُدیؒ نے مسجد حرام میں بتایا ہے۔

ہمارا آسمانوں پر جانا بند کر دیا گیا ہے۔ اب یہ جنات کی جماعت غیر مرئی حالت میں ہی ایمان کی دولت سے سرفراز ہو کر اسلام کی داعی بن کر اپنی قوم کے پاس جا پہنچی اس کی اطلاع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعد میں وحی کے ذریعہ ہوئی اور اسکے بعد جنات کے کئی وفود حصول ایمان کی خاطر اور قرآن کی تعلیم کے حصول کے لیے بارگاہِ نبوی میں حاضری دیتے رہے۔ ایک دفعہ جنات کا ایک وفد آیا اور اس نے قرآن سنانے اور اسلامی تعلیمات کی درخواست کی تو نبی علیہ السلام نے اسے مکہ مکرمہ کے شہر سے باہر ٹھہرایا اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ آج رات جنات کو قرآن سنانا ہے جو چلنا چاہیے وہ تیار ہو جاتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپکے ساتھ ہو لئے اور مکہ معظمہ کے بالائی حصہ حجون کی گھاٹی میں پہنچ کر حضرت عبداللہ بن مسعود کو بٹھا کر انکے گرداگرد ایک دائرہ کھینچ کر فرمایا کہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ جنات کے عامل کسی عمل کے وقت آج بھی ایسا ہی کرتے ہیں کیونکہ جنات اس دائرہ کے اندر داخل نہیں ہو سکتے اور اگر آدمی اس دائرہ سے خود باہر نکل آئے تو جنات اس پر حملہ کر دیں گے۔ یا پھر اسکا وہ عمل ضائع ہو جائے گا۔ جو وہ کر رہا ہے۔ متعلقہ کتب کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے بعد جنات کے کئی وفود نبی علیہ السلام کے پاس آئے مکہ میں بھی اور مدینہ میں بھی اور جنوں کے وفود کی تعداد کہیں ۹ مرقوم ہے اور کہیں سات اور کہیں پندرہ۔ یہ روایت خود اس بات کا ثبوت ہے کہ حضور کے حضور میں کئی جنات کے وفود نے حاضریاں دیں۔ کوئی وفد نو اشخاص پر مشتمل تھا اور کوئی سات پر اور کوئی آٹھ پر اور کوئی چھ پر اور کوئی پندرہ پر مشتمل تھا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بعض کے نام بھی گنائے ہیں۔

مثلاً۔ ۱۔ حسی ۲۔ حسا ۳۔ منسی ۴۔ ساصر ۵۔ ناصر ۶۔ الاردو بیان

۷۔ الاحتم ۸۔ ابو ہمزہ ۹۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ جزیرہ موصل سے

آنے والے جنات کی تعداد بارہ ہزار تھی کسی روایت میں ہے کہ یہ جنات نینوی سے آئے تھے۔ اس سے جغرافیہ کے ناواقف آدمی کو خلجان ہونا لازمی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دجلہ و فرات کے دوآبہ کو جزیرہ کہتے ہیں۔ اور موصل شہر بغداد کے قریب ہی جزیرہ میں آج بھی موجود ہے اور موصل کے قریب ہی نینوی[1] حضرت یونس ع کے شہر کے دیار و اطلال دور قدیم کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ جنوں کے ایک وفد نے ایک دفعہ پیغمبر اسلام علیہ السلام سے کچھ توشہ طلب کیا تو رسولِ خدا نے خدا سے دعا مانگی اور دعا کے بعد فرمایا کہ ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (یعنی حلال جانور کی حلال ہڈی) وہ تمہارے ہاتھوں میں پہلے سے زیادہ گوشت والی ہو گی اور لید اور گوبر تمہارے جانوروں کا چارہ بنے گا۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا اے مسلمانو! ہڈی، لید، گوبر سے استنجا مت کرو، یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہے اس سے ثابت ہوا کہ جنات جب خوراک کے طور پر ہڈی استعمال کرتے ہیں تو وہ نبی علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے جن کے ہاتھ میں معجزۃً گوشت دار بن جاتی ہے اور لید و گوبر جنوں کی نہیں بلکہ انکے جانوروں کی خوراک ہے۔

نیز قرآن سے ہی یہ بھی واضح ہے کہ جنات میں بھی نیک و بد ہیں اور ان میں بھی مسلمان اور کافر خاندان اور قبیلے موجود ہیں۔ حضرت سواد بن آقارب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جن کی ترغیب و تشویق سے ایمان لایا ہوں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر۔ ابن جریر۔ دلائل النبوت للحافظ ابو نعیم رح

---

[1] نینوی شہر، نینوس بن بالوس نے آباد کیا تھا اس لیے اسکے نام سے منسوب ہو کر نینوی کہلایا۔ وملک نینوس بن بالوس اثنتین وخمسین سنۃ۔ و بنی مدینۃ نینوی۔ یعقوبی صد ۸۱ ج ۱)

دلائل النبوت للبیہقیؒ ۔ آکام المرجان فی احکام الجان ۔ تفسیر عزیزی ۔ جو جنات متلاشی واقعہ عجیبہ کی تلاش میں نکلے تھے ۔ ان میں سے ایک جماعت بھاگم بھاگی جب مکہ مکرمہ میں پہنچی تو وہاں یہ جنات نبی علیہ السلام سے قرآن سنکر ایمان لے آئے اور فوراً اسلام کے داعیین بنکر واپس قوم میں چلے گئے جنکی ترغیب سے اسکے بعد جنات کے کئی وفود بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ ارشاد ہے ۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۔ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔

اور اس وقت کا ذکر کیجئے) جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو (آتے ہی) قرآن سننے لگے تھے ۔ غرض جب وہ لوگ آپکے پاس آ پہنچے (تو ایک دوسرے کو) کہنے لگے کہ خاموش ہو کر سنو پھر جب وہ (قرآن پڑھنا) ختم ہو چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس ڈرانے کے لیے گئے ۔ کہنے لگے اے ہمارے قوم والو ، ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے ۔ جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور راہِ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے اے ہمارے قوم والو کہا مانو اللہ کی طرف بلانے والے کا اور ایمان لے آؤ اس پر اللہ تمہارے گناہ معاف کر دیگا اور تمہیں محفوظ رکھیگا عذاب دردناک سے

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ - (الاحقاف ۲۹ تا ۳۲)	اور جو کوئی اللہ کی طرف بُلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں کہیں بھی اللہ کو نہیں ہرا سکتا اور نہ اللہ کے سوا اسکا کوئی حامی ہوگا یہی لوگ تو صریح گمراہی میں پڑے) ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے آخری پیغمبرؑ سے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو اس واقعہ کی اطلاع دے دیں کہ جنوں کی ایک جماعت نے جنّ ہونے کے باوجود قرآن کریم کو سنا اور اسے سچا جانا اور اس پر ایمان لے آئے اور اسکے مطیع و منقاد ہو گئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم انسان ہو کر اس پر ایمان نہیں لاتے؟

ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا - يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا - وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا - وَّ اَنَّا	آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے اس بات کی کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سُنا اور پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست بتلاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے پروردگار کا شریک کسی کو نہ بنائیں گے اور ہمارے پروردگار کی شان بڑی ہے اس نے نہ کسی کو بیوی بنایا اور نہ اولاد اور ہم میں جو احمق ہوتے ہیں، وہ اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے

ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ
وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ
الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ
مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
رَهَقًا وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا
ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ
اَحَدًا وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ
فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا
شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا
وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ
مِنْهَا مَقَاعِدَ
لِلسَّمْعِ ط فَمَنْ

ہیں اور ہمارا خیال یہ تھا کہ انسان اور جنات کبھی اللہ کی شان میں جھوٹ بات نہ کہیں گے اور انسانوں میں بہت سے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ[1] لیا کرتے تھے سو انہوں نے ان جنات کی نخوت اور بڑھادی۔ اور انہوں نے بھی گمان کر کر رکھا تھا جیسا کہ تم نے گمان کر رکھا ہے کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہ اٹھائے گا اور ہم نے آسمان کی تلاشی لینا چاہی تو ہم نے اسکو شدید پہرے اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم آسمان کے موقعوں پر جا بیٹھا کرتے تھے (خبریں) سننے کے

---

[1] جاہلیت کی ایک عادت یہ تھی کہ کسی نئے مقام میں یا کسی خاص معاملہ میں جنوں سے استمداد کیا کرتے تھے آج بھی اکثر عامل حضرات جنات اور مؤکلوں سے استمداد کرتے ہیں۔ جو کہ شرک ہے۔ اس سے جنات نے حماقت سے یہ سمجھ لیا کہ ہم بھی کوئی چیز ہیں۔ جبھی تو انسان ہماری تعظیم و تکریم کرتا ہے۔

يَسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ
لَهٗ شِهَابًا
رَّصَدًا۔ وَّ اَنَّا لَا
نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ
بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ
بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا۔ وَّ
اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا
دُوْنَ ذٰلِكَ ط كُنَّا
طَرَآئِقَ قِدَدًا۔ وَ اَنَّا ظَنَنَّآ
اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی
الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا
وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓی
اٰمَنَّا بِهٖ ط فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ
بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا
وَّلَا رَهَقًا۔ وَّ اَنَّا مِنَّا
الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ط
فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا
رَشَدًا۔ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ
فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا۔

لیے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے
اپنے لیے ایک تیار شعلہ پاتا
ہے اور ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں
کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا
انکے پروردگار نے انہیں ہدایت دینے
کا قصد کیا ہے۔ اور ہم میں نیک بھی
ہوئے ہیں اور بعض اسکے برعکس بھی ہیں
غرض ہم مختلف طریقوں کے تھے۔ اور ہم نے
تو سمجھ لیا ہے کہ ہم زمین پر اللہ کو کہیں (بھی)
نہیں ہرا سکتے اور نہ اسے بھاگ ہی کر
ہرا سکتے ہیں اور ہم نے جب ہدایت
کی بات سن لی تو اس پر ایمان لے آئے
اور جو کوئی اپنے پروردگار پر ایمان لائیگا
اسے اندیشہ نہ کسی کمی کا رہے گا اور نہ
زیادتی کا اور ہم میں بعض مسلم ہیں اور بعض
ہم میں سے بے راہ ہیں تو جس نے اسلام قبول
کر لیا اس نے بھلائی کا راستہ ڈھونڈ نکالا
اور رہے وہ جو بے راہ ہیں تو وہ دوزخ
کے ایندھن ہیں۔

(الجن ۱ تا ۱۵)

یہاں سے یہ بات مترشح ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جنوں کا قرآن سننا

اور اس سے متاثر ہو کر ایمان لانا اور فوراً یہ رائے قائم کرنا کہ یہ خدا کا سچا کلام ہے پھر فوراً قوم میں واپس جا کر تبلیغ کرنا کہ اے قوم ایمان لے آؤ اسی میں تمہاری بھلائی ہے یہ سب کچھ آپکو بذریعہ وحی تبلایا گیا۔ جس طرح فطرت سلیمہ والے انسان قرآن کی آب حیات کے لیے تشنہ لب ہیں اسی طرح سلیم الفطرت جن بھی قرآن کریم کے لیے چشم براہ ہیں۔ یہ ساری تقریر قرآن سننے والے جنوں کی ہے۔ جس طرح پانی سے زمین کو جب سینچا جائے تو اس سے جسمانی زندگی کے ارزاق و اقوات پیدا ہوتے ہیں اور وہ خود لالہ زار بن جاتی ہے، اسی طرح سلیم الفطرت جن ہوں یا انسان قرآن کے اثر سے انکے قلوب بھی روحانیت کے ہرے بھرے لالہ زار کشت زار بن جاتے ہیں۔ اور قرآنی تاثیر سے انکے قلوب سے بھی روحانی ارزاق و اقوات پیدا ہوتے ہیں۔ درحقیقت قرآن حکیم کھرے کھوٹے ایمان کی محک (کسوٹی) ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔

ایمان والے تو بس وہ ہوتے ہیں کہ جب انکے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل سہم جاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ انکا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں۔ اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ تو سچے (اور پکے) مومن ہیں۔ بڑے درجے ہیں ان کے

(الانفال ۱ تا ۴) لیے انکے پروردگار کے پاس اور مغفرت (بھی) اور عزت کی روزی (بھی)

یہ آیتیں کامل اس بر نص ہے کہ ایمان کامل اسی کا ہے جس میں یہ سارے اوصاف حمیدہ موجود ہوں جسکے ایمان کو پرکھنا ہو تو قرآن کی اس کسوٹی پر رکھ کر پرکھا جا سکتا ہے بلندیٔ درجات و بخشش و عزت کی روزی کا ذکر فرما کر بشارت دے دی ہے کہ جن لوگوں کا ایسا کامل ایمان ہو گا انکو جزا بھی ہر اعتبار سے ایسے ہی کامل عطا کی جائے گی۔

جنات بھی انسانوں کی طرح ایک مکلف مخلوق ہیں

یہ بات اجلیٰ واسنیٰ ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلّف مخلوق اور اپنے اعمال کی خُدا کے سامنے جواب دہ ہے جب یہ ثابت ہے تو پھر اس مخلوق کے موجود ہونے کا انکار کرنا کفر نہیں تو اور کیا۔ ارشاد ہے۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ الخ — اے جنوں کی اور انسانوں کی جماعت

(الرحمن ۳۳ - نیز دیکھو - السبا ۱۲ - ۱۳ - ۱۴)

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ۔ — اُس روز کسی انسان اور جنّ سے اسکے جرم کے باب میں نہ پوچھا جائیگا یعنی کسی آدمی یا جنّ سے اسکے گناہ معلوم کرنے کی غرض سے سوال نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ تو

(الرحمن - ۳۹ - انظر - الانعام - ۱۳۰)

مقررہ فرشتوں نے ذرہ ذرہ قلم بند کر کے محفوظات میں محفوظ کر رکھا ہے یہ سوال بھی عادلانہ حجت کے لیے ہوگا ورنہ خالق کائنات تو علیم بذات الصدور ہے۔

دوسری جگہ ارشاد جو یہ ہے کہ

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر - ۹۲ الکھف - ۶۳) سو آپکے پروردگار کی قسم ہے کہ ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے۔

یہ سوال قیامت کے دن بطور عتاب ومواخذہ کے ہوگا نہ کہ بطور معلوماتی استفسار کے اور بطور الزام واعتراف اور توبیخ کے عدل کے تقاضا کے مطابق ہوگا۔ جن وانس کو یہ خطاب بحیثیت مکلّف مخلوق کے ہے۔ قوائے انسانیہ میں سے کوئی بھی قوت مکلّف ومسئول نہیں۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلف مخلوق موجود ہے۔ پھر غور فرمایئے کہ سرسید ضد والحاد کے کتنے پکے ہیں کہ وہ وضوح حق اور قیام دلائل وبراھین کے باوجود قرآن کی بھی حق بات پر کان نہیں دھرتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں

کیا ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

قرآن حکیم تو صاف صاف بتا رہا ہے کہ انسانی مخلوق سے الگ جنوں کی بھی ایک مخلوق موجود ہے۔ لیکن حضرت سید خان بہادر صاحب اپنے انوکھے اور نرالے مذہب کی تائید میں یوں خامہ فرسا ہیں کہ۔

پس اس طرح جنّوں کو مخاطب کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقع جنّوں کی ایسی مخلوق ہے جیسے کہ مشرکین عرب یقین کرتے تھے۔ یا جس طرح کہ مسلمان عالموں نے لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن صـ ۶۴ جـ ۳۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ تمام علماء اسلام نے جنّوں کی جداگانہ ایسی ہی مخلوق قرار دی ہے جیسے کہ انسان کی مگر قرآنِ مجید سے جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا ثبوت نہیں۔ کمامر۔

انظر تفسیر القرآن صـ ۵۹ جـ ۳ بلفظہٖ

حضرات خواندگان عظام! اوپر آپ دلائل پڑھ آئے ہیں کہ شیطان کوئی الگ مخلوق نہیں ہے بلکہ یہ جنوں میں سے ایک جن ہے جس کی ذریت بھی ہے اور جنوں میں سے جو جو شریر و نافرمان ہیں ان سب کو شیطان ہی کہا جاتا ہے لیکن سر سید اپنا ایک الگ ہی راگ آلاپتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں "انہی قوی کو جو انسان میں ہیں اور جن کو نفس امّارہ یا قوائے بہیمیہ تعبیر کرتے ہیں یہی شیطان ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن صـ۴۵ ج ا۔ بلفظہٖ۔

سیدؒ صاحب سورہ الحجر میں اپنے مظنونات و مزعومات باطلہ و فاسدہ کے قلم سے یوں قلم فرسا ہیں کہ۔ یہ بھی ہم نے تسلیم کیا ہے مظنونات عرب سے یہ بات تھی کہ عرب جنوں کی ایک خلقت ہوائی ناری غیر مرئی مقابل انسان کے سمجھتے تھے اور اس مخلوق موہوم کو صاحب قدرۃ متعددہ اور قادر بہ تشکل باشکال مختلفہ اور انسان کو نقصان پہنچانے اور نفع پہنچانے والا سمجھتے تھے اور اس موہوم مخلوق کی عبادت کرتے تھے۔ یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرآن مجید سے ایسی کسی مخلوق غیر مرئی کا پیدا ہونا جیسا کہ عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا یا جیسا کہ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کا خیال ہے ثابت نہیں۔ یہ بھی بیان کیا ہے کہ قرآن مجید میں ابلیس اور اسی معنی میں شیطان کا لفظ آیا ہے اور جہاں لفظ جنّ یا لفظ جانّ جیسا کہ اس سورہ میں بمعنی ابلیس یا شیطان کے آیا ہے۔ اس سے اور ان لفظوں سے کوئی وجود خارج از انسان مراد نہیں بلکہ بلحاظ انسان کے قوائے بہیمیہ انسانیہ پر انکا اطلاق ہوا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی قوت (بہیمیہ) کو کبھی شیطان سے اور کبھی جانّ سے تعبیر کیا ہے اور اسکے وجود کو قبل تشکل انسان بتایا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرے یہ کہ جہاں جن کے لفظ کا فی الواقع ایک مخلوق مستقل پر اطلاق ہوا ہے اس سے جنگلی اور وحشی انسان مراد ہیں جو پوری پوری تمدنی حالت میں نہیں ہیں اگلے زمانہ میں بہت سی قومیں ایسی ہی حالت میں تھیں

جو بدو یین کہلاتی تھیں بلکہ ان سے بھی زیادہ وحشی اور غیر تمدنی حالت میں جیسے کہ اس زمانہ میں امریکہ کے آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کی حالت ہے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن صد ۱۱۴ ج ۵ صد ۱۱۵ ج ۵ بلفظہٖ

راقم ہیچ میرز عرض پرداز ہے کہ سر سید عرب کے محاورات و استعمالات و استعارات و کنایات و اشارات و تشبیہات اور اصطلاحات سے قطعی طور پر ناواقف تھے۔ اسی لیے وہ جنات و شیاطین اور جنت و دوزخ اور فرشتوں و معجزات کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔ توانکا انکار کر کے قرآن ہی کے منکر ہو گئے۔ سر سید نے قرآن کے مفہوم و مطالب و تعلیمات کو الٹ پلٹ کر کر کے کچھ نہ کچھ بنا کر رکھ دیا ہے جب لغت عرب، نے بھی انکا ساتھ نہ دیا تو عربی لُغت کو بھی انہوں نے ایک ظنی علم کہہ دیا۔ چنانچہ وہ خامافرسا ہیں۔ لغت خود فی نفسہٖ ظنی چیز ہے۔ انظر تفسیر القرآن صد ۱۱۵ ج ۵۔

لغت کے معنی

سر سیّد کی لغویات و ہزلیات کو پڑھکر علم و عرفان ان کی کم علمی اور ضد پر سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اگر سر سید لغت کے معنیٰ جانتے ہوتے تو وہ لغت کو ظنی چیز کبھی نہ کہتے اب غور و فکر اور ژرف نگاہی سے لغت کے معنی ملاحظہ فرمایئے۔ اور سید کے بھوڑپن کا ماتم کیجیئے۔

لغت کی جمع لغی و لغات اور لغون بھی آتی ہے۔ نسبت کے لیے لُغوِیٌ علم اللغت حقیقتاً ایک فطری علم ہے۔ جسکے ذریعہ انسان بلکہ ہر جاندار اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ خصوصاً انسان کے لیے مستعمل ہے۔ لُغت۔ کسی قوم کی زبان۔ بولی بھاشا۔ وہ اصوات و کلمات جس کے ذریعہ سے آدمی اپنے مطالب و اغراض کو بیان کرتا ہے۔ درحقیقت لغت لَغِیَ سے مشتق ہے اور لَغِیَ کے معنی چڑیا کے بار بار چہچہانے کی طرح کسی چیز کا بار بار تذکرہ کرنے کے ہیں۔ اور اسی سے لُغت

ہے۔ یعنی ہر قوم کی زبان اور بولی جس کے ذریعہ سے وہ بات کر کے اپنے مافی الضمیر کے مطالب و اغراض کا اظہار کرتی ہے۔ لغت کہلاتی ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، اتقان۔ مفردات القرآن۔ الصحاح جوہری المحکم لابن سیدہ۔ فرہنگ آصفیہ۔ نور اللغات وغیرھا۔ لسان ص ۲۵۰ ج ۱۵) اب جنات کی مکلف مخلوق ہونے کے متعلق چند اور آیات ملاحظہ فرمایئے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل - ۸۸)

آپ فرما دیجئے کہ اگر (کل) انسان اور جنات اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں۔ (جب بھی) اس جیسا (قرآن نہ لا سکیں گے اور خواہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

بنظر امعان ملاحظہ کیجئے کہ اس خطاب سے بھی توضیح کے ساتھ ثابت ہے کہ انسانوں کی طرح جنات کی بھی ایک الگ مخلوق موجود ہے۔ اسی لیے قرآن کے اعجاز کے لیے قرآن ہی کی تحدی میں ہر ملک اور ہر قوم کے اور ہر زمانہ کے انسان فصحاء و بلغاء و انشاپردازوں کے ساتھ جنات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ۔ (حٰمٓ السجدۃ ۲۹ - الاحقاف ۱۸)

اور سلیمانؑ کے لیے ان کا لشکر جمع کیا گیا جن بھی اور انسان بھی اور پرندے بھی اور انہیں صف بندی کے لیے روکا جاتا تھا۔

ذرا غور فرمایئے اگر بقول سر سید جن انسانوں میں سے ہی ایک شریر اور طاقتور قبلہ ہوتا تو پھر جنات کا لشکر الگ بیان نہ کیا جاتا اس سے ثابت ہوا کہ جنات کی بھی ایک الگ مکلف مخلوق موجود ہے۔

شیطان اور ابلیس کسے کہتے ہیں

در حقیقت شیطان اور ابلیس محض کسی مجرّد قوت کا نام نہیں ہے.
بلکہ وہ بھی انسان کی طرح ایک صاحبِ تشخّص ہستی اور مخلوق ہے۔ ابلیس۔ بلس سے ہے اور اِبلاس اس غم و حُزن کو کہتے ہیں جو شدتِ ناامیدی سے پیدا ہو۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ الروم۔ ۱۲۔ اور جب قیامت قائم ہوگی تو مجرم سخت ناامید ہو جائیں گے۔ ابلیس کو ہی شیطان بھی کہا گیا ہے جب تک وہ خود انکار کرتا ہے تب تک ابلیس رہتا ہے اور جب دوسروں کو ورغلاتا پھسلاتا ہے. شیطان ہے اور لغت کے لحاظ سے بھی یہی درست ہے کیونکہ ابلیس وہ ہے جو رحمتِ الٰہی سے مایوس اور ناامید ہے اور شیطان۔ شَطَنَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بُعد یعنی دوری کے ہیں. غرض شیطان وہ ہے جو خود بھی رحمتِ الٰہی سے دور اور محروم ہے اور دوسروں کو بھی رحمتِ الٰہی سے دور کرتا ہے سرسیّد کا یہ کہنا غلط ہے کہ ابلیس اور اسی معنی میں شیطان کا لفظ آیا ہے۔ نیز سرسید کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ قوتِ وہمیہ و بہیمیہ کو شیطان کہا گیا ہے بلکہ جس طرح انسان ایک الگ مخلوق ہے اور فرشتوں کی ایک الگ نوری مخلوق ہے. اسی طرح دلائل و براہین سے ثابت ہے کہ شیطان بھی ایک الگ اور مستقل ناری مخلوق میں سے ہے شیطان کو رجیم بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مرجوم یعنی آتشی پتھر مار کر دور بھگایا گیا وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ۔الملک ۔ ۵۔ اور بنایا ہم نے (ان ستاروں کو) شیطان کے لیے رجم۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے رجیم کے ایک معنی راجم کے بھی لکھے ہیں۔ رجم اصل میں بے نشانہ پتھر پھینکنے پر بولا جاتا ہے پھر بلا تحقیق کئے یا اپنی اٹکل پچوں سے بات کرنے پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے

رَجۡمًا بِالۡغَیۡبِ ۔ الکھف ۔ ۲۲۔ یعنی اندھیرے میں پتھر پھینکتے ہیں دیکھے بغیر ہی بات کہتے ہیں۔ اٹکل پچو بات کرتے ہیں۔ شیطان چونکہ لوگوں کو وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے اس لیے اسے رجیم یعنی راجم (انسانوں کی طرف برائیوں اور وسوسوں کو پھینکنے والا) کہتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِیۡمٌ ۔ الحجر ۔ ۳۴ تا ۴۰۔

اللہ نے فرمایا ابھی تو نکل جا یہاں سے کیونکہ تو مردود ہے (رجیم) ہے۔ دوسری جگہ ہے فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّیۡطٰنُ (الاعراف ۲۰۔ پھر شیطان نے ان دونوں کو وسوسہ ڈالا۔ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۔ ۵ (شیطان) لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ وسوس۔ اصل اس ہلکی سی ہوا کو کہتے ہیں جو ہوا کے چلنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور شکاری جب شکار کے پیچھے پاؤں دبا کر چلے تو اسکے چلنے کی آہٹ کو بھی وسواس کہا جاتا ہے۔ لسان العرب وسوسۃ ان ناقص خیالات کو کہا جاتا ہے جو دل میں آئیں۔ ملاحظہ ہو، مفردات امام راغب ؒ حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے، شیطان انسان کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرعت سے سرایت کر جاتا ہے۔ جس طرح انسان کے بدن میں خون دورہ کرتا ہے۔ قرآن و حدیث کے ان ارشادات کو جب بعض سطحی دماغ نہ سمجھ سکے تو انہوں نے شیاطین و جنات کی مخلوق کا ہی انکار کر کے یوں کہہ دیا کہ یہ انسان کے اندر دوڑنے والی اسکے اندر کی قوتِ بہیمیہ اور وہمیہ ہی ہے۔ حالانکہ شیطانی وسوسہ اندازی کو سمجھنے کے لیے ہمارے سامنے کئی قدرتی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً جب کسی کو سانپ ڈھس جائے تو ایک عامل آکر منتر پڑھ کر اس پر پھونکتا ہے تو پھونک مارتے ہی سانپ گزیدہ کو نہ درد رہتا ہے اور نہ زہر اثر کرتا ہے۔ اب بتائیے زہر تو مار گزیدہ کے وجود میں خون کے ساتھ ساتھ اس کی رگوں میں رواں دواں ہوتا ہے

لیکن ماندری کی پھونک کس راستے سے اندر جاکر زہر کو زائل کر دیتی ہے؟ اسی طرح حکماء بارہا تجربہ کر چکے ہیں کہ اگر حاملہ عورت کا کسی سانپ پر سایہ پڑجائے تو وہ اندھا اور بے حس وحرکت ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بتایئے حاملہ عورت کے پاس وہ کون سا تیر تھا جس کے لگنے سے سانپ شل ہو کر رہ گیا؟ آتشی شیشہ کو سورج کی طرف کر کے جب کسی چیز پر اسکا عکس ڈالا جائے تو وہ جلنا شروع کر دیتی ہے آخر کیوں؟ بظاہر تو کوئی آگ جلتی ہوئی نظر نہیں آتی لیکن آتشی شیشہ کا عکس جہاں پڑ رہا ہے وہاں آگ بھڑک رہی ہے۔

پھر جس قدرتِ کاملہ نے ان چیزوں میں یہ تاثیر ودیعت کر رکھی ہے اسی نے شیاطین وجنات کی مخلوق کو پیدا کر کے ان میں مختلف قوتیں اور تاثیریں رکھ دی ہیں

لفظ شیطان کا اطلاق شریر انسانوں پر بھی ہوتا ہے

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔۔۔۔ (الانعام - ۱۱۲) اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے جو ایک دوسرے پر خوشس آیند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہے ہیں یہاں وحی سے مراد حق کے مخالف لوگوں کی وہ تمام چالیں اور تدبیریں شکوک وشبہات ہیں جنکو بروئے کار لاکر یہ لوگ داعی حق اور اس کی دعوتِ حق کے خلاف عوام کو بھڑکانے اور اکسانے کا کام کرتے ہیں۔ نیز یہاں شیاطین الانس سے مراد انسانوں میں سے سرکش لوگ ہیں۔ اور شیاطین الجن وہ ہیں جو نظر سے مخفی ہیں مگر انسان جب اپنی ہی نوح کے انسان کا شیطان بنتا ہے تو یہ جن شیطان سے بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ جن شیطان تو صرف وسوسہ اندازی سے انسان کو گمراہ

کرتا ہے لیکن انسانی شیطان اپنی باتوں اور عمل دونوں سے گمراہی و نافرمانی اور سرکشی کی ترغیب دیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ۔ الفرقان - ۳۱ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے دشمن بنائے۔

یعنی اے نبی آخر الزمان! آج جو دشمنی آپکے ساتھ کی جارہی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے جب کوئی نبی دعوتِ حق دینے اور راستی کا راستہ بتلانے اٹھا تو وقت کے سارے جرائم پیشہ اور سرکش لوگ ہاتھ دھو کر اسکے پیچھے پڑ گئے۔ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفےٰ سے شرارِ بولہبی

اگر غور کیا جائے تو ان آیتوں میں ہمارے لیے بہت سے درسِ عبرت اور اسباق موجود ہیں۔

سر سیّد جنت کے موجود ہونے کے منکر و ہتاک ہیں

البقرہ - کی آیت ۲۵ - کے تحت

سر سیّد احمد خان تحریر کرتے ہیں کہ۔ اس لفظ پر علمائے اسلام نے استدلال کر کر یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ اَلْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَخْلُوْقَتَيْنِ۔ یعنی بہشت اور دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔ یعنی بالفعل موجود ہیں مگر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ان آیتوں سے یا اُعِدَّتْ۔ کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ تفسیر القرآن صفہ ۳۰ ج ۱۔ پھر آگے لکھتے ہیں پس یہ مسئلہ کہ بہشت اور دوزخ دونوں بالفعل مخلوق و موجود ہیں قرآن سے ثابت نہیں۔ ۱ تفسیر القرآن صفہ ۳۱ ج ۱۔ آگے مزید لکھتے ہیں کہ۔ یہ سمجھنا کہ جنت مثل ایک باغ کے پیدا کی ہوئی ہے، اس میں سنگ مرمر کے

کے اور موتی کے جڑاؤ محل ہیں، باغ میں سرسبز و شاداب درخت ہیں دودھ و شراب و شہد کی ندیاں بہ رہی ہیں ہر قسم کا میوہ کھانے کو موجود ہے۔ ساقی و ساقنیں نہایت خوبصورت، چاندی کے کنگن پہنے ہوئے جو ہمارے ہاں کی گھوسنیں پہنتی ہیں شراب پلا رہی ہیں۔ ایک جنتی ایک حور کے گلے میں ہاتھ ڈالے پڑا ہے، ایک نے ران پر سر دھرا ہے۔ ایک چھاتی سے لپٹا رہا ہے، ایک نے لب جان بخش کا بوسہ لیا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ کر رہا ہے، کوئی کسی کونہ میں کچھ، ایسا بیہودہ پن ہے جس پر تعجب ہوتا ہے، اگر بہشت یہی ہو تو بے مبالغہ ہمارے خرابات اس سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔ ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن صد ۲۳ ج ۱۔

پھر جنت کی آلاء و نعماء کی بابت یوں گوہر ریزی کرتے ہیں کہ اس امر کے ثبوت کے لئے کہ بانئے مذہب کا ان چیزوں کے بیان کرنے سے صرف اعلیٰ درجہ کی راحت کا بقدر فہم انسانی خیال پیدا کرنا مقصود تھا، نہ واقعی ان چیزوں کا دوزخ و بہشت میں موجود ہونا۔ تفسیر القرآن صد ۲۴ ج ۱۔

مقام غور ہے کہ جس مذہب میں گھوڑے کو خالی جھولی دکھا کر دانہ کھلانے کے بہانے بلا کر دھوکا سے پکڑنا جائز نہیں اور چھوٹے بچے سے خلاف واقع جھوٹا وعدہ کرنے کی اجازت نہیں پھر بھلا اس پاکیزہ مذہب اسلام کے داعی اور خدا کے آخری رسول صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے خلاف وقوع، معاذاللہ جھوٹا اور فریب بھرا وعدہ کیسے کر سکتے ہیں؟ سید خان بہادر کے اس ہتاک بیان کو پڑھ کر تو غیر مسلم یہی رائے قائم کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کا پیغمبر۔ معاذاللہ استغفراللہ۔ فریب دہندہ جھوٹ بولنے والا تھا اور مذہب اسلام کی کوئی حقیقت ہی نہیں یہ تمثیلوں اور پہیلیوں کا حقیقت سے خالی ایک خود ساختہ مذہب ہے یہ ہے نتیجہ سرسید کے جدید متفرنج اسلام کا جسے ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے

فاعتبروا یاولی الالباب والابصار۔ تفکروا وتدبروا۔

سرسید مزید لکھتے ہیں

انہی آیات کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو۔

۱۔ ایک تربیت یافتہ دماغ خیال کرتا ہے کہ وعدہ و وعید دوزخ و بہشت کے، جن الفاظ سے بیان ہوتے ہیں ان سے بعینہٖ وہی اشیار مقصود نہیں بلکہ اسکا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے اس خیال سے اسکے دل میں ایک بے انتہا عمدگی نعیم جنت کی، اور ایک ترغیب اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ اور ایک کوڑ مغز مُلّا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت میں نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی۔ شرابیں پئیں گے۔ میوے کھاویں گے دودھ وشہد کی ندیوں میں نہاویں گے اور جو دل چاہیگا۔ وہ مزے اڑاویں گے اور اس لغو بیہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجالانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے۔ الخ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن صہ ۳۵ ج ۱ بلفظہٖ۔ سرسید صاحب تحریر کرتے ہیں کہ۔

تفسیر کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ جنّت دنار کی جو چیزیں بیان ہوئی ہیں وہ سب تمثیلیں ہیں نہ حقیقتیں۔ الی آخرہٖ۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن از قلم آنریبل سرسید احمد خان بہادر راقم آثم عرض پرداز ہے کہ سرسید نے چند جگہ تفسیر کشف الاسرار کا حوالہ دیا ہے لیکن مصنف کا نام اس لیے نہیں لکھا کہ وہ بھی باطنی فرقے کا ملحد تھا اور واضح ہو کہ کشف الاسرار کے نام سے تین تفاسیر معروف ہیں اور وہ بقرار زیر ہیں۔

۱۔ علامہ سعدالدین مسعود تفتازانی تغمدہ اللہ برحمتہ۔ جو صفر ۷۲۲ھ موافق ۱۳۲۲ء میں خراسان کے شہر تفتازان میں پیدا ہوئے۔ توفی ۷۹۲ھ ۲۲ محرم۔ ۱۳۹۰ء نے

کشف الاسرار وعدہ الابرار، فارسی میں لکھی۔

۲- خواجہ عبداللہ انصاری رحمہ اللہ توفی ۴۸۱ھ نے بھی تفسیر کشف الاسرار لکھی جو ۱۳۷۸ھ میں طہران سے شائع ہوئی۔

۳- ابولیعقوب باطنی توفی ۷۹۲ھ ۲۲ محرم ، موافق ۱۳۹۰ء۔ مدفون سرخس، سمرقند نے بھی تفسیر کشف الاسرار فی ہتک الاستار کے نام سے لکھی یہ باطنی فرقے کا ایک ملحد آدمی تھا۔ سرسید نے غالباً اسی کا حوالہ دیا ہے اور نام اس لیے نہیں لکھا کہ راز کھل کر عیاں ہو جائیگا۔

فرقہ باطنیہ کا اجمالی تعارف اور تفصیل کی نشاندہی !

سرسید نے تفسیر کشف الاسرار کے چند حوالے پیش کئے ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ یہ عقائد ونظریات باطنیوں کے ہی ہیں علامہ عبدالقاہر بن محمد، البغدادی، الاسفر الیتمیمی، المتوفی فی عام ۴۲۹ھ موافق ۱۰۲۷ء رقمطراز ہیں۔

وَليست الباطنية من فِرَقِ الاسلام بل هي من فرقِ المجوس۔

فرقہ باطنیہ اسلامی فرقوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ مجوس کے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔

الفرق بين الفرق ص ۲۲

اسماعیلیہ کو باطنیہ یا باطنین اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی اپنے معتقدات وغیرہ کو دوسروں سے چھپاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور باطن۔ لوگوں کو صرف ظواہر کا علم ہے باطن کا علم صرف امام کو معلوم ہوتا ہے بلکہ باطن الباطن سے بھی وہ واقف و آگاہ ہوتا ہے باطنیہ نے اسلامی احکام کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا اور اس کی حدود کو پھاند گئے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الملل والنحل۔ لابن حزمؒ و شہرستانی۔ فرقہ باطنیہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

۱۔ تاریخ الکامل لابن الاثیرؒ کشف الاسرار الباطنیہ لعلامہ قاضی ابوبکر باقلانی توفی ۴۰۳ھ المسلمین والمشرکین صـ ۷۶ و مابعدھا۔ لفخر الدین رازیؒ ۔ باطنیہ نے تمام شرائع اور رسولوں کا انکار کیا ہے الفرق بین الفرق صـ ۲۹۴ ۔ باطنیہ یہود و نصاریٰ اور مجوس سے بھی زیادہ، اسلام کے لیے ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں۔ ا الفرق بین الفرق صـ ۲۱۲ باطنیہ کے الحاد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ الفرق بین الفرق صـ ۲۸۱ و مابعدھا الیٰ صـ ۳۱۲ ۔

جنت بالیقین پیدا ہو چکی ہے اور موجود ہے

سرسید کی طرح اسلام سے پہلے جاہلی دور میں بھی انسان جنت و دوزخ کے وجود اور موجود ہونے کا انکار کر کے نظام آخرت سے بغاوت کر گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عصر جاہلیت کے لوگ نظام آخرت پر ایمان کے فوائد اور اپنے اعمال کی جواب دہی کے عقیدہ سے قطعی طور پر محروم ہو کر وحشیانہ زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح و ہدایت اور جاہلی ماحول کا قلادہ ان کے گلے گردنوں سے اُتروا پھینکوانے کے لیے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور تمام رسولوں، فرشتوں جنت و دوزخ اور نظام آخرت پر ایمان لانے کی تعلیم دی تو ان میں سے زہے قسمت نفوس قدسیہ اس پاک تعلیم پر ایمان لا کر خُدا کے مقرب ترین بندے اور اسلامی دنیا کے بے مثال آئمہ ہدایت بن گئے۔ جاہلی دور کے لوگ دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ سرسید کی طرح جنت اور دوزخ وغیرھا کا سرے سے منکر تھا اور دوسرے گروہ نے جنت و دوزخ اور

جنات وفرشتوں کو خدا کے بندے اور مخلوق ماننے کے بجائے فرشتوں کو معاذاللہ خدا کی بیٹیاں اور جنوں کو خدا کا انباز وسہیم بنالیا تھا۔ جاہلی دور کی طرح کچھ انسانوں کی عقل عقیم وسقیم یہ کہتی ہے کہ جنت ودوزخ اور جنات وفرشتے نظر نہیں آتے اور یہ اس لیے کہ انکا وجود ہی کوئی نہیں کہ وہ نظر آئیں۔ لیکن عقل سلیم وفہیم کے ذریعہ صاحب ایمان مؤمنانہ فراست سے انہیں خدا کی مخلوق اور فرمانبردار بندے بلا تامّل تسلیم کرتی ہے۔ درحقیقت کئی چیزیں ایسی اور بھی ہیں۔ مثلاً جس زمین پر ہم چلتے پھرتے بستے ہیں اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے سے بھی یہ چلتی ہوئی ہمیں نظر نہیں آتی لیکن علم ہیئت کے علماء وحکماء کے دلائل وبراہین سے عاجز ہوکر ہم اپنی آنکھوں کی غلطی سمجھتے ہیں اور اپنی عقل سلیم یا دوسرے عقلاء کی عقل کے ذریعہ سے اپنے حواس کی غلطی کی اصلاح وتصحیح کر کے ہم قدرت کاملہ کی عظمت ووسعت کو دیکھتے ہوئے اس کا بڑی تیزی سے چلنا تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی عقل بھی غلطیوں اور کوتاہیوں سے محفوظ نہیں۔ کل تک حکمائے یونان کے فتوی کے مطابق سب کو یہ تسلیم تھا کہ چاند پہلے آسمان پر ہے اور سورج چوتھے پر، واجمعوا علی ان الشمس فی السماء الرابع (مدارک التنزیل صـ ۲۹۶ ج ۲)۔

اس پر سب کا اجماع ہے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے۔ فتح العزیز میں ہے کہ۔ چاند پہلے آسمان پر اور سورج چوتھے پر ہے۔ لیکن آج بفرمانِ قرآن کریم اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ن الْکَوَاکِبِ۔ والصّٰفّٰت ۶ - الملک۔

بیشک ہم نے آراستہ کیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی آرائش کے ساتھ۔ اور کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ یعنی سب سیارے اور ستارے سورج، چاند ایک

ہی جگہ اپنے اپنے دائرہ میں تیرتے ہوتے جا اور آرہے ہیں. سب کو یہ تسلیم ہے کہ سورج چاند جیسے بلکہ ان سے بھی بہت بڑے بڑے سیارے اور ستارے پہلی ہی چھت یعنی آسمان کے بہت نیچے فضا میں اپنے اپنے مقررہ دائرہ میں تیرتے چلے جا اور آرہے ہیں. عرض کیا جارہا تھا کہ ان غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کی تلافی کے لیے پروردگار نے تمام عالم میں ایک وحی الٰہی کی قوت ہی ایسی بنائی ہے جو خود بدونہ تعالےٰ غلطی سے محفوظ و معصوم رہتے ہوئے تمام عقلاء و فضلاء کی عقلی قوتوں کی اصلاح و تکمیل کر سکتی ہے جس طرح انسانی حواس جہاں پہنچ کر عاجز و ناتواں ہو جاتے ہیں تو وہاں عقل سلیم کام دیتی ہے اسی طرح جس میدان میں عقل مجرّد کام نہیں دیتی یا ٹھوکریں کھانے لگتی ہے تو وہاں وحی الٰہی اس کی دستگیری کر کے اُن بلند حقائق و دقائق سے انسان کو روشناس کرتی ہے جنکے سمجھنے میں وہ ٹھوکریں کھا رہا ہوتا ہے. مگر یہ تب ہی ہے جب وحی الٰہی پر ایمان کامل ہو اور اسے یہ رتبہ حاصل ہو ہی نہیں سکتا جو سر سیّد کی طرح وحی الٰہی کا منکر ہو۔ ارشاد ربانی ہے.

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (الحاقۃ ۳۸ تا ۴۳)

پھر میں قسم کھاتا ہوں۔ ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔ اور جنہیں تم نہیں دیکھتے یہ (قرآن کلام الٰہی ہے) ایک معزز فرشتے کا (لایا ہوا) اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں بہت ہی کم ایمان تم لاتے ہو۔ اور یہ کسی کاہن کا بھی کلام نہیں بہت ہی کم تم سمجھتے ہو یہ کلام اتارا ہوا پروردگار کا ہے۔

تمام موجودات مرئی و غیر مرئی اس پر گواہ ہیں کہ قرآن جس پر نازل کیا گیا ہے

وہ حق تعالیٰ کا آخری معزز رسول ہے لَاتُبْصِرُوْنَ۔ یعنی قرآن کریم کو دنیا میں آخری رسول کے پاس لانے والا غیر مرئی مخلوق میں سے ایک معزز فرشتہ ہے۔

جنّت و دوزخ اور فرشتوں و جنّات غیر مرئی مخلوق کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے ایک معروف مثال عرض کرتا ہوں اسے بچشم بصیرت ملاحظہ فرمائیے۔

سائنس کی اصطلاح میں۔ نوری سال (LIGHT YEAR) ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار امیال فی سیکنڈ کی رفتار سے چلنے والی برقی روشنی ہمارے کلینڈر کے حساب سے ایک سال میں جتنا سفر کرے اسے نوری سال کہا جاتا ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں ستارہ یا فلاں سیارہ ایک نوری سال کی مسافت پر ہے تو اسکا حساب لگاکر دیکھ لیجئے کہ وہ ہم سے اٹھاون کھرب پینسٹھ ارب اہتر کروڑ ساٹھ لاکھ امیال کے فاصلے پر دور ہے۔ پھر سائنسدان کہتے ہیں کہ ستاروں کے بعض جھنڈ ہم میں سے بلیس ہزار نوری سالوں سے لیکر پینتالیس (۴۵) ہزار نوری سالوں تک کے فاصلے پر واقع ہیں۔ اور بعض جھنڈ ایک لاکھ نوری سالوں کی دوری پر ہیں۔ اس حیرت کدہ عجائبات قدرت کی کائنات کی یہ ادنیٰ سی مثال ہے۔ پھر ہم سب کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر ہمیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس سے اس کی تصدیق ہوتی ہو، پھر ہم سوچ کے سمندر میں غواصی کرنے لگ جاتے ہیں لیکن کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اتنے میں سائنسدان کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عمدہ قسم کے آلات ہیئت ہیں جن سے ہم دیکھ کر وثوق سے تمہیں بتارہے ہیں۔ تم ہم پر یقین کرو کہ ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم ہمارے مشاہدہ پر اعتماد کرو۔ تمہارے پاس کوئی آلہ ہیئت نہیں اس لیے تم کچھ معلوم نہیں کر سکتے۔ پھر ہم ان پر اعتماد کر کے اتنی بڑی بات کو مان لیتے ہیں اور مانتے جارہے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عجائبات قدرت کی کائنات میں جنت و دوزخ۔ جنات اور فرشتوں کی

مخلوق غیرمرئی (نادیدہ) موجود رکھ رکھی ہے جو ہماری ابصرات ومحسوسات سے بلند تر ہونے کی وجہ سے ہمیں نظر نہیں آتی۔ ان غیرمرئی نادیدہ مخلوق کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیے اللہ تبارک وتعالےٰ نے بھی ایک آلۂ قدرت بنا رکھا ہے۔ جسے زبان شرح میں وحی الٰہی کہا جاتا ہے۔ یہ تمام عجائبات قدرت کی عجیب و غریب کائنات میں بسنے والی مخلوق جو ہمارے لیے نادیدہ ہے کی خبریں خُدا کے پیغمبر کے پاس لایا اور پیغمبر خُدا نے ہم کو یہ سب کچھ بتایا اور اہل ایمان نے خدا کے پیغمبر پر کامل ایمان واعتماد کی بنا پر سب کچھ سچ اور حق تسلیم کر لیا۔ اب جس زہے قسمت کا خُدا تعالےٰ اور اسکے پیغمبر آخرالزمان سعادت نشان صلے اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان ہے وہ جنت ودوزخ اور جنات وفرشتوں کی مخلوق وموجود ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ اس سے انکار وہی کر سکتا ہے جسکا کوئی ایمان ہی نہ ہو۔ تدبروا وتفکروا یاولی الالباب۔

درحقیقت سرسید نے علم وعرفان اور ایمان کے فقدان کی وجہ سے ان چیزوں کا انکار کیا ہے۔ دوسرا وہ دنیوی طمطراق وکروفر کے احرص وآزور تھے دین اسلام سے انکا دور کا بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ فافھموا وتدبروا۔ صرف مستغربین اور متفرنج حضرات نے انکو قوم کا مصلح اور دین اسلام کا پہرہ دار بنا کر پیش کرنے میں زمین وآسمان کی سوتیں ملانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ بس گزارش یہی ہے کہ۔ ؎

اب بھی توبہ کر لے عاصی درِ توبہ ہے کھلا
ورنہ پچھتائیگا جب پانی گیا سر سے گذر

آفرینندہ نے آفریدگان کی آفرینش سے پہلے ہی جنتؔ تیار کر رکھی ہے

ہر مومن کا منتہائے عمل اور منزل مقصود رضائے رب اور مغفرت پروردگار ہی ہونا چاہیئے اس لیے قرآن حکیم زوردار طریقہ سے کہتا چلا آرہا ہے کہ اعمال صالح کو زاد راہ بنا کر اپنے آفریدگار کی رحمت وبخشش کی طرف دوڑو اس کے صلہ میں ربّ کائنات نے تمہارے لیے جنت تیار کر کے سجا رکھی ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔	اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور جنت کی طرف جسکا عرض آسمان اور زمین ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(آل عمران ۱۳۳ - ۱۵)

یہاں یہ تشویق دلائی گئی ہے کہ حصول جنت کے لیے اعمال صالح میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کی کوشش کرو۔

سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔	دوڑو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین کی وسعت کی سی ہے۔ تیار کی گئی ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اسکے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں یہ اللہ کا فضل ہے وہ اپنا فضل جسے چاہے عطا کرے اللہ ہی بڑے فضل والا ہے۔

(الحدید - ۲۱)

غور فرمایئے کہ اللہ تعالےٰ نے یہاں صاف بتادیا ہے کہ جنت کب سے تیار ہوچکی ہے لیکن سرسید برابر کہتے چلے گئے ہیں کہ جنت کا وجود اور اس کا مخلوق و تیار ہونا قرآن سے ثابت نہیں۔ سرسید نے جنت و دوزخ وغیرہما کا جو انکار کیا ہے اسکے رد میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ سحائب الرحمت والرضوان نے۔ ایک رسالہ ہدیہ سنیہ۔ لکھا ہے جو قابل دید ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِیْمٍ - الطور - ١٧ بیشک متقی لوگ باغوں اور سامان عیش میں ہوں گے خوش ہو رہے ہوں گے۔

الذاریات - ١٥ - محمد - ١٥۔

جنت کی چند حدیثیں ملاحظہ فرمایئے۔

عُقیل نے ابن شہاب سے اور انہوں نے حضرت سعیدؓ بن مسیبؓ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، ایک دفعہ میں نبی علیہ السلام کی بارگاہِ نبوت میں بیٹھا تھا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا کہ میں نے اپنے آپکو بہشت میں دیکھا تو وہاں محل کے کونے میں ایک عورت وضوء کر رہی ہے فَقُلْتُ لِمَنْ ھٰذَا الْقَصَرُ؟ میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا لِعُمَرَ بن الخطاب۔ عمر بن خطاب کا۔ تو مجھے انکی غیرت کا خیال آیا تو میں پیٹھ پھیر کر چلا آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سُن کر رو پڑے اور کہنے لگے یا رسول اللہ کیا میں آپ پر غیرت کرونگا۔ (البخاری کتاب بدءِ الخلق۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزمانؒ ارقام فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ بہشت موجود ہے۔ پیدا ہوچکی ہے وہاں ہر ایک بہشتی کے مکانات اور سامان وغیرہ سب

تیار ہیں۔ امیر با توقیر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قطعاً بہشتی ہونا اس حدیث اور بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ خوشی کے مارے رو دیئے اور یہ کہا کیا میں آپ پر غیرت کرونگا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ بزرگ ہیں اور میرے مربی۔ میری بیویاں سب آپ کی لونڈیاں ہیں۔ غیرت تو برابر والے سے ہوتی ہے نہ مالک سے اور نہ مربی سے۔ تیسیر الباری شرح بخاری صا۳۱ ج ۳۔

حمیدی نے کہا کہ ہم سے سفیان بن عُیینہؒ نے بیان کیا اور انہوں نے ابوزناد سے اور انہوں نے اعرج سے اور اعرج نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہؓ نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالےٰ اَعْدَدْتُّ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِیْنَ مَالَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔ مسلم۔ بخاری کتاب بدءُ الخلق

میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے بہشت میں وہ وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں۔ اور کسی کان نے سنی نہیں۔ اور کسی آدمی کے خیال میں نہیں گزریں۔

اگر تم چاہو تو (سورہ سجدہ) کی یہ آیت پڑھو۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (السجدہ ۱۷)

سو کسی کو علم نہیں جو جو (سامان) آنکھوں کی ٹھنڈک کا انکے لیے خزانۂ غیب میں مخفی ہے۔ یہ صلہ ہے انکے نیک اعمال کا۔ یعنی جنت کی آلاء و نعماء اتنی اعلیٰ و ارفع معیار کی اور اندر ہیں کہ انکا پورا اندازہ انسان کو اپنے ان ناسوتی حواس سے ہو ہی نہیں سکتا۔

سرسید نے تفسیر القرآن صہ ۳۱ ج ۱ - میں اس حدیث کو لاکر لغمات سے جنت کا لچر پوچ طریقے سے مزاح اڑا کر اپنی عادات محرفانہ کے مطابق انکار کیا ہے اسکا حقیقت پسندانہ عالمانہ اور فلسفیانہ رد - ہدیہ سینہ میں ملاحظہ فرمایئے سرسید کو اس عالم کون وفساد سے انتقال کیئے ہوئے تقریباً چھیانوے سال گزر چکے ہیں اس وقت اگر ان سے موجودہ دور کی جدید ایجادات ٹیلی ویژن - (ابصرات) ہوائی جہاز، موبائل فون - ٹیلکس وغیرہ کا تذکرہ کیا جاتا تو وہ اسے مجنوں قرار دیتے پھر جو آدمی بندے کی کاریگری کی وسعت پذیری کو نہ سمجھ سکے وہ خدائے واحد کی صناعی اور حکیمانہ عجائبات کو کیا سمجھے گا - آج سائنس اور علم الابدان کے کمالات کا چار دانگ عالم میں طوطی بول رہا ہے لیکن قرآن میں اللہ آج بھی یہ اعلان کیئے جا رہا ہے کہ -

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ - النحل - کما مر - یعنی اللہ تعالٰے ابھی ایسی ایسی اشیاء پیدا کرنے والا ہے اور کریگا کہ جنکا تمہیں ابھی علم ہی نہیں سبحان اللہ و تعالٰے امام ابن کثیرؒ نے جنت کی صفات یوں بیان فرمائی ہیں کہ حضور فرماتے ہیں جنتی خوب کھائیں پیئیں گے لیکن نہ تھوک آئے گی نہ ناک آئے گی نہ پیشاب نہ پاخانہ کی حاجت ہو گی - مشک وعنبر جیسی خوشبو والا پسینہ آئیگا اور اسی سے کھانا وغیرہ ہضم ہو جائیگا -

تفسیر ابن کثیر بحوالہ مسلم - مسند احمد - نسائی -

جنت ایک بے نظیر مامن اور فرحت بخش مقام ہے وہاں کی گفتگو کیف آور نشاط انگیز و اعزاز و اکرام سے ثمر آور ہو گی ارشاد ربانی ہے -

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا — وہ (جنتی) وہاں نہ بک بک سنیں

وَّلَا تَأْثِيمًا - إِلَّا قِيلًا — گے نہ اور کوئی بیہودہ بات بس ہر

سَلٰمًا سَلٰمًا (الواقعہ ۲۵ - ۲۶) طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

جنت میں اہل جنت کو روحانی بھی اور جسمانی بھی ہر طرح کی لذت و مسرت اور فرحت ہی حاصل رہے گی۔ اہل جنت کی طرف سے بھی اور فرشتوں کی طرف سے بھی سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا۔ جنتی جنت میں نہ کوئی بیہودہ بات ہی سنیں گے اور نہ جھوٹ خرافات۔

سرسید کی طرح وہاں کے پاکیزہ عیش کو اور صاف شفاف و ستھرے ماحول کو دنیا بیہودہ رنگ رلیوں پر قیاس نہ کیا جائے وہاں ساری ساری مادی اور روحانی لذتیں اور نعمتیں حاصل رہیں گی۔ جنت میں جانے سے دنیا کی کوئی نعمت سلب نہ ہوگی۔ وہاں کی نوجوان، نوخیز ہمسن حسن و جمال کی پیکر بیویوں کو دنیا کی بیویوں پر قیاس نہ کیا جائے

لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً۔ جنتی جنت میں کوئی لغویات نہ سنیں گے۔

جنت سات ہیں

۱۔ جَنَّةُ الْفِرْدَوْس ۲۔ جَنَّةُ عَدْنٍ
۳۔ جَنَّةُ النَّعِيْم ۴۔ دَارُ الْخُلْد
۵۔ جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۶۔ دَارُ السَّلَام ۷۔ عِلِّيِّيْن۔

جنّت کے نگران اعلیٰ فرشتے کا نام رضوان ہے۔

نبی علیہ السلام کے آسمانوں پر جانے کی دلیل

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى النجم۔ وفی هذه الآية دلالة على ان النبی صلی اللّٰہ علیہ

وسلم قد صعد الی السّمآء و الی الجنّۃ۔ احکام القرآن صد ۴۱۳ ج ۳۔ للعلامہ جصّاص رحمہ اللہ۔

سورہ نجم میں معراج النبی کا تذکرہ اور جو نبی علیہ السلام نے معراج سے واپسی پر جنّت کا ذکر فرمایا۔ اور یہاں یہ فرمایا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی شکل میں دیکھا اور جنّت الماویٰ سدرۃ کے پاس بتائی گئی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ تفکّروا وتدبّروا یاولی الالباب۔

وحی الٰہی اور جنّت و دوزخ و ملائکہ و جنّات اور معجزات کا انکار کرنے اور ان کے خلاف بیہودہ رائے زنی کرنے والے دولتِ ایمان اور عقل معاد و عقل سلیم سے تہی دست نہیں تو اور کیا

حور و غلمان کی ایک پاکیزہ مخلوق جنت میں موجود ہے

سرسید نے حور العین کی ہنسی اُڑاتے ہوئے کہا ہے کہ یہ سب بیہودہ خیالات ہیں اگر جنت کی حوریں یہی ہیں تو پھر ہماری گھوسنیں ان سے لاکھ درجہ بہتر ہیں۔ کما مر۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صہ ۱۴۹ ۔ الغرض سرسید کہتے ہیں جب جنت ہی کا وجود ثابت نہیں تو حوروں کا ہونا لغو خیال ہے۔ لیکن قرآن و حدیث صدیوں سے یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ دوسری نادیدہ مخلوق کی طرح جنت میں حوروں کی مخلوق بھی موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ارشاد ہو رہا ہے کہ۔

۱- وَعِندَهُمْ قَٰصِرَٰتُ ٱلطَّرْفِ عِينٌ۔ ۲- كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ۔ والصّٰفّٰت ۴۸-۴۹- ۳- وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ۔ الطور-۲۰۔ (الدخان — ۵۴)

اور ان کے پاس ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھنے والیاں۔ بڑی آنکھوں والیاں یعنی شرم و حیا سے نگاہ نیچی رکھنے والی حوریں جو اپنے ازواج کے سوا دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں شیخ الاسلام۔ اور بیاہ دیں ہم نے انکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں۔

۴- فِيهِنَّ قَٰصِرَٰتُ ٱلطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ

الرحمٰن - ۵۶

(جنت کے) ان (مکانات) میں نیچی نگاہ والیاں ہونگی۔ کہ ان (جنتی) لوگوں سے پہلے ان پر نہ کسی انسان نے تصرف[۱] کیا ہوگا نہ جن نے

---

[۱] ان آیتوں سے یہ ثابت ہے کہ انسانوں کی طرح جن و حوریں بھی الگ الگ دو غیر مرئی مخلوقیں ہیں۔ تب ہی تو وہ جنسی تصرفات پر قدرت رکھتی ہیں۔ تدبروا و تفکروا۔

۵۔ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ۔ (الرحمٰن — ۵۸) | گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔

۶۔ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ۔ (الرحمٰن — ۷۲) | گورے رنگ والیاں خیموں میں محفوظ ہوں گی۔

۷۔ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ۔ (الرحمٰن ۷۴) | ان پر انکے قبل نہ کسی انسان نے تصرف کیا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔

۸۔ وَحُورٌ عِينٌ (الواقعہ — ۲۲) | اور گوری بڑی آنکھوں والیاں

۹۔ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ۔ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (الواقعہ — ۲۳ — ۲۴) | جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی یہ ان کے عمل کے صلہ میں انکو ملے گا۔

اس تشبیہ سے حسن غایت اور عصمت و عفت دونوں کا اظہار مقصود ہے۔

۱۰۔ إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً۔ (الواقعہ ۳۵) | ہم نے وہاں کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے۔

۱۱۔ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا (الواقعہ ۳۶) | یعنی ہم نے انہیں ایسا بنا دیا ہے کہ وہ کنوار ہی رہیں گی اور محبوبہ اور ہم عمر۔

۱۲۔ عُرُبًا أَتْرَابًا لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ۔ الواقعہ ۳۷، ۳۸) | ان میں حوریں بھی داخل ہونگی اور دنیا کی جنتی بیویاں بھی۔ انہیں داہنے والوں کے واسطے (بنایا ہے)

ان جنتی عورتوں کی ایک صفت یہ بتائی گئی ہے کہ لا یبلی ثیابھا[1] ولا یفنی شبابھا

---

[1] لا یبلی ثیابہ ولا یفنی شبابہ۔

نہ انکے کپڑے میلے ہوں گے اور نہ ہی انکی جوانی و حسن و جمال میں کوئی کمی و نقص ہوگا۔

گزشتہ دور میں ایک دفعہ بغداد میں ایک جگہ غلام فروخت ہو رہے تھے کہ ایک اللہ کا نیک بندہ بھی اس خیال سے وہاں جا پہنچا کہ چلو ایک لونڈی ہم بھی خرید لیتے ہیں جو مہمانوں کے لیے کھانا وغیرہ تیار کر دیا کرے۔ وہاں پہنچ کر اس نے جو لونڈی پسند کی اس کی قیمت اس اللہ کے بندے کی قوت خرید سے باہر تھی تو اس نے کہا یہ کھوٹا مال ہے اور اس کی قیمت اتنی زیادہ۔ مالک اس پر غصہ ہو کر کہنے لگا کہ کھوٹا کیسے؟ اللہ کے بندے نے آگے سے کہا کچھ دنوں کے بعد یہ حسن و جمال، یہ خوبصورت دانت، دماغی قوت وغیرہ سب بڑھاپا چھین لیگا۔ چند یوم کے بعد یہ کپڑے بھی بیکار ہو جائیں گے۔ موسم کی تبدیلی سے بدن سے بدبو آنا شروع ہو جائیگی۔ اور ناک سے ریزش و رینٹھ بہنے لگے گا۔ بصارت بھی جواب دیکر اس کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ قوت سامعہ بھی مضمحل ہو جائے گی۔ ہم ایسا کھوٹا مال نہیں خریدتے ہم ایک ایسی لونڈی کے لیے رب الارباب کی بارگاہ میں تکدمہ[1] جمع کرانا شروع کر دیتے ہیں جسکو نہ کبھی بڑھاپا آئے صدا جوان ہی رہے، نہ کبھی اسکے کپڑے ہی میلے ہوں اور نہ کبھی اس کی کوئی قوت ہی زائل ہو۔ غلاموں کے مالک نے پوچھا ایسی لونڈی کی قیمت کتنی ہوگی اور تکدمہ کتنا دینا پڑے گا۔ اللہ کے بندے نے کہا تکدمہ یہ ہے کہ جب لوگ آرام کی نیند میں محو ہو جائیں اس وقت اُٹھ کر گڑگڑا کر خدا کے حضور میں نوافل پیش کرنا اور تہجد کا پڑھنا اور قیمت یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق کی کامل فرمانبرداری میں رہے۔

ارشاد ہے کہ

---

[1] وہ روپیہ جو کاریگروں کو پیشگی دیا جاتا ہے۔ پنجابی میں سائی۔

ولکل واحدٍ منھم زوجتان یُریٰ مُخّ سوقھا من ورآء اللحم من الحُسن۔
(بخاری کتاب بدء الخلق)

ہر بہشتی کے لیے دو زوجات بے مثال حسن وجمال کی پیکرہ ہوں گی کہ جن کی پنڈلی کا گودا شیشے کی بوتل میں رکھی چیز کی طرح صاف نظر آئے گا۔

دوسری جگہ ہے کہ

لکل امریٔ منھم زوجتان کلّ واحدۃٍ منھما یریٰ مُخّ ساقھا من ورآء لحمھا من الحسن یسبّحون اللّٰہ بکرۃً وّ عشیًّا لا یسقمون ولا یمتخطون و لا یبصقون
(کتاب بدء الخلق۔ بخاری)

ہر ایک جنتی کے حبالۂ نکاح میں دو حسین ولطیف رفیقات حیات جاودانی میں ایسے حسن وجمال کی پیکرہ ہوں گی کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پرے سے دکھائی دیگا۔ نہ وہ بیمار ہوں گی۔ نہ رینٹھ ریزش نکالیں گی۔ صبح وشام خُدا کی تسبیح ہی کرتی رہیں گی۔ انکے برتن سونے چاندی کے ہوں گے۔ انگیٹھیاں بھی سونے اور چاندی کی ہوں گی۔ ان کی انگیٹھیوں میں اُلُوّہ (عود) روشن رہیگا۔

انکا پسینا مُشک وعنبر کی خوشبو دیگا اور یہ صفات سب بہشتیوں میں بھی ہوں گی اور ایک حدیث میں ہے کہ بہشتیوں کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہونگے۔ اہالیانِ جنت آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے ہوں گے کسی جنتی کے دل میں رائی کے برابر بھی حسد وبغض اور عداوت نہ ہوگی۔ ان کا کھانا وغیرہ پسینہ کے ذریعے ہضم ہوجایا کریگا۔

لکل امرئ منھم زوجتان من الحور العین یریٰ مخ سوقھن من وراء العظم واللحم۔ (بدء الخلق۔ بخاری)

ہر ایک جنتی کی بڑی بڑی حسین آنکھوں والی دو بیویاں ایسے حسن و لطیف حسن و جمال کی پیکرہ ہوں گی کہ انکی پنڈلیوں کا گودا ہڈی اور گوشت کے نیچے سے صاف شفاف دکھائی دے گا۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موضع سوطٍ فی الجنۃ خیر من الدنیا ومافیھا۔ (بخاری کتاب بدء الخلق)

بہشت میں ایک کوڑے جتنی جگہ بھی ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر و افضل ہے۔

لغت عرب کے امام ابن منظور افریقیؒ خامہ فرسا ہیں۔

وفی صفۃ الجنۃ:۔ ان فی الجنۃ لمجتمعًا للحور العین

جنت حوروں کے اجتماع کی جگہ ہے۔ لسان ص۲۱۹ ج ۲۔ النھایہ۔ لابن الاثیرؒ ص ۴۵۸۔ ج ۱) ایک جگہ جنتیوں کی بابت یوں ارشاد ہے کہ۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ (الطور ۲۴۔ الدھر ۱۹) الزخرف۔ ۷۱)

اور ان (جنتیوں) کے پاس لڑکے پھر رہے ہوں گے گویا وہ غلافوں میں رکھے ہوئے موتی ہیں۔

حضرات خواندگان عظام ذرا ثلج صدر کیساتھ غور فرمائیے کہ قرآن کریم تو زور دار طریقے سے کہہ رہا ہے کہ جنت۔ دوزخ۔ فرشتے۔ جنّ اور دوسری عجائبات قدرت کی مخلوقیں موجود ہیں۔ لیکن سرسید کہتے ہیں کہ ان میں سے نہ کوئی مخلوق ہے نہ موجود بلکہ یہ سب فرضی اور تمثیلی نام ہیں دل بہلانے کو۔ کما مر۔

دوزخ پیدا کی جاچکی ہے

سر سید تمام ایمانیات کے منکر ہیں اور آپ پڑھ آئے ہیں کہ وہ جنت دوزخ، فرشتوں، جنات معجزات کے منکر ہیں۔ وہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۴ کے تحت لکھتے ہیں کہ اُعِدَّتْ کے لفظ سے دوزخ کا موجود ہونا ثابت نہیں۔ سید صاحب تحریر کرتے ہیں کہ پس اس وقت نہ کوئی آدمی جہنم کی آگ کا ایندھن ہے اور نہ کوئی ایسی آگ موجود ہے جسکا ایندھن آدمی ہوں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر القرآن صنہ ۳ ج ۱)

سر سید اپنی عقل سقیم وعقیم اور فہم کسید کیمطابق کہتے ہیں کہ نہ کوئی دوزخ ہے اور نہ دوزخ کی آگ اور نہ ہی آدمی آگ کا ایندھن ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر قرآن حکیم پر ایمان ہو تو ہر صاحب عقل سلیم اسے قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے دنیا میں ایسے بہت سے نمونے ہمارے سامنے تیار کر رکھے ہیں جنکو دیکھ کر نظام دوزخ کو ماننے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور لامحالہ یہ ماننا ہی پڑتا ہے کہ واقعی نافرمان آدمی اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہیں۔ دیکھئے جہاں آگ لگی ہوئی ہو تو وہاں پانی ہی سے اسے بجھایا جاتا ہے یعنی پانی آگ بجھانے کا کام دیتا ہے۔ لیکن اسی دنیا میں اللہ تعالےٰ نے حصولِ عبرت اور غریبوں کی سہولت کے لیے ایک ناری پتھر پیدا کر دیا ہے۔ جس کو پانی میں ڈال کر جلاؤ تو روشن ترین چراغ کا کام دیتا ہے اور پانی نہ ڈالو تو خالی پتھر جلتا ہی نہیں۔ بجلی سے پہلے ملک میں عام استعمال ہوتا تھا آج بھی دور دراز علاقوں میں بجلی کے قمقمے اور چراغ کی جگہ یہی ناری پتھر پانی میں ڈالکر جلایا جاتا ہے۔ دینہ جہلم وغیرہا میں ناری پتھر کے ذخیرہ والی دکانوں کی پیشانی پر ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء تک فائر سٹون (FIRE STONE) لکھا ہوتا تھا۔ جس قادر مطلق نے انسانی شعور و طاقت سے بالاتر یہ کچھ پیدا کیا ہے وہ آدمی اور پتھر میں بھی ہر قسم کی سی کیفیت و خاصیت پیدا کرنے پر قادر ہے۔

ارشاد ہے۔

وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۙ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ (یٰسٓ ۔ ۸۰)

وہ سب طرح کا (یعنی ہر چیز) پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے آگ تمہارے لیے پیدا کرتا ہے۔ پھر تم اس سے اور آگ سلگا لیتے ہو۔

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ۔ (والصّٰفّٰت ۶۳۔ ۶۴)

ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے موجب امتحان بنایا۔ وہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ سے نکلتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ اس درخت سے مراد مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو حجاز میں ہوتے ہیں اور ان کی ہری ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے چق ماق کی سی آگ نکلتی ہے۔ عرب میں ایک مثل مشہور ہے کہ

لِكُلِّ شَجَرٍ نَارٌ، وَاسْتَمْجَدَ الْمَرْخُ وَالْعَفَارُ۔

حکماء کا قول ہے کہ سوائے انگور کے درخت کے ہر درخت میں آگ موجود ہے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی تغمدہ اللہ برحمتہ ارقام فرماتے ہیں کہ۔ سہارنپور کے کمپنی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

نیز راقم احقر کو کچھ سیاحوں نے بتایا ہے کہ افریقہ کے بعض جنگلوں میں ایک درخت ایسا ہے جو کہربا یعنی مقناطیس کی طرح آدمی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور اسکا توڑ بھی اللہ نے وہاں پیدا کر رکھا ہے جسے وہ مقامی لوگ جانتے ہیں۔ نیز میرے علم میں یہ بات بھی آئی ہے کہ مرخ و عفار کیساتھ آگ کے دانہ کی طرح کا ایک دانہ لگتا ہے اسکے اندر

روئی ہوتی ہے۔ وہ روئی اکٹھی کر کے اگر کپڑا بنالو تو وہ میلا ہونے پر صابن پانی سے صاف نہیں ہوتا بلکہ اسے آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ جب سرخ ہو جائے تو اسے نکال کر سائے میں پھیلا دو تو ٹھنڈا ہونے پر جب جھاڑو تو میل جھڑ جائے گی اور وہ کپڑا صاف ہوگا یعنی اسے آگ نہیں جلاتی۔

سر سیّد نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ دنیا کی آگ سے جہنم کی آگ کا ستر درجہ زیادہ حرارت پذیر ہونا بھی خلاف عقل ہے۔ سید نے درحقیقت قدرت کے عجائبات کائنات میں کوئی غور وفکر نہیں کی۔ حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ گندھک کے پتھروں کی جو آگ سلگائی جاتی ہے اسکی تیزی اور حرارت معمولی عام آگ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے ہمارے کاریگر چونے پتھر اور لوہے تانبے اور دوسری دھاتوں کو چند ساعتوں میں پانی کی طرح پگھلا کر رکھ دیتے ہیں جو عام آگ میں گھنٹوں اور دنوں میں بھی نہیں پگھلائی جا سکتیں۔ مذکورہ آیت کی بابت اگرچہ مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ گندھک کا پتھر مراد لینا ہی زیادہ انسب واصوب ہے لیکن امر واقع یہ ہے کہ جس صانع نے گندھک کا پتھر پیدا کیا ہے وہ ہر پتھر اور کسی آدمی میں گندھک کی سی خاصیّت اور کیفیت پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے

دوزخ کے طبقات

دراصل دوزخ کے جو طبقات بتائے گئے ہیں وہ بھی درجۂ حرارت کے لحاظ ہوں گے اور مجرموں کو انکے گناہوں کی شدت کے لحاظ سے ان طبقات میں سے اسکے مناسب طبقہ میں ڈالدیا جائیگا اور وہ طبقات سات ہیں۔ بروایت ابن عباسؓ۔

۱۔ جہنم ۲۔ سعیر ۳۔ لظیٰ ۴۔ جحیم ۵۔ حطمہ ۶۔ سقر ۷۔ ہاویہ

جہنم ایک خاص طبقہ بھی ہے اور ان طبقات کے مجموعہ پر بھی بولا جاتا ہے۔

جہنم کا نگران داروغہ دوزخی جب دوزخ میں نجات سے ناامید ہو کر دوزخ کے داروغہ فرشتہ مالک نامی کو پکاریں گے اے مالک ہم نہ مرتے ہی ہیں اور نہ عذاب سے چھوٹتے ہیں تم ہی اپنے رب سے کہو کہ ایک دفعہ عذاب دیکر ہمارا کام ہی تمام کردے۔

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ

(الزخرف - ۷۷)

اور (دوزخی) پکاریں گے کہ اے مالک تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے وہ کہیگا کہ تمہیں تو اسی حال میں پڑا رہنا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ - قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ -

(المؤمن ۴۹ - ۵۰)

اور جو لوگ آگ میں پڑے ہوں گے وہ دوزخ کے پہرہ داروں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ کسی دن تو عذاب ہم سے ہلکا کردے وہ کہیں گے اچھا تو کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر نشانیاں لیکر نہیں آتے رہے تھے دوزخی بولیں گے کیوں نہیں۔ فرشتے کہیں گے تو پھر تم ہی دعا کرلو۔ بلاشک کافروں کی دعا تو بے اثر ہی ہے۔

اور ملاحظہ ہو۔ الزمر ۷۱، ۷۲

ان آیات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ فرشتوں کی مخلوق بالیقین موجود ہے اور جنت بھی خلق کی ہو موجود ہے۔

یاد رہے کہ دوزخ کے داروغہ مالک کے ماتحت بہت سے فرشتے بھی متعین ہیں جنکو زبانیہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ارشاد ربانی ہے جن کفار کو اپنے جتھوں پر بھروسہ و ناز تھا ان سے کہا جا رہا ہے کہ۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (العلق ۱۷، ۱۸)

اچھا تو یہ اپنے جتھا کے لوگوں کو بلالیں ہم بھی دوزخ کے پیادوں (زبانیہ) کو بلاتے ہیں۔

یاد رہے کہ سر سید نے دوزخ و جنت کے مخلوق و موجود ہونے سے انکار کیا ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دوزخ کے منکروں سے کہے گا کہ۔

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۔ (الطور ۱۴)

یہی وہ دوزخ ہے جسے تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

مخلوق دوزخ تیار موجود ہے

سر سید کہتے ہیں کہ کوئی دوزخ موجود نہیں نہ آگ ہی موجود ہے۔ لیکن قرآن واشگاف طریقے سے کہہ رہا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (البقرہ-۲۴)

پھر تم اگر یہ نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اُس آگ سے ڈرو۔ جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے تیار کی ہوئی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اور تمام امت کے اکابر بھی قرآن کے ارشاد کیمطابق یہی کہتے ہیں کہ دوزخ اپنے اوصاف کے ساتھ تیار کی ہوئی موجود ہے۔ لیکن ایک سید ہیں کہ وہ کہتے ہیں دوزخ کا کوئی ہی نہیں۔ (الامان والحذر)

اُعِدَّتْ سے معلوم ہوا کہ جہنم کی آگ تیار کی جا چکی ہے ملاحظہ ہو۔ تفسیر ابن کثیرؒ
دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ۔ (آل عمران ۱۳۱)

اور اُس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَ اَعَدَّ لَھُمْ سَعِیْرًا۔ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۔

(الاحزاب ۶۴ - ۶۵)

بیشک اللہ نے کافروں کو رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لیے دوزخ سعیر تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار۔

سیدنا عیسیٰؑ کی اعجازی ولادت کی ضوء القرآن میں تحقیق انیق !

مرزا غلام احمد قادیانی متنبی نے کہا ہے کہ۔ سرسید احمد خان صاحب تینوں باتوں میں میرے موافق رہے ہیں۔ تاریخ احمدیت صد ۱۹ ج ۳۔

وہ تین باتیں یہ ہیں۔ اولاً نبی علیہ السلام کو خواب میں معراج ہوئی سرسید کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

ثانیاً۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اسمیں دونوں کا تھوڑا سا تفاوت ہے وہ یہ کہ۔ سرسید کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے لیکن کسی نامعلوم جگہ میں یہودیوں کے خوف سے دفن کئے گئے ہیں۔ اور غلام احمد متنبی قادیان بھی کہتا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ فلسطین سے ہجرت کر کے کشمیر چلے گئے تھے اور وہاں ہی فوت ہوئے اور سرینگر کے محلہ خان یار میں دفن ہیں مرزا نے یہ افتراء و اختراع تاریخ یوسفی کی بیساکھیوں پر قائم کر کے چلتا کیا۔ حالانکہ ایک تو تاریخ یوسفی فرضی کہانیوں کا ایک

اسطورہ ہے دوسرا اس میں عیسٰی خان پٹھان کا لکھا ہے خدا کے پیغمبر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے۔ اگر کسی اور کتاب میں ہو بھی تو قرآن وسنت کے مقابلہ میں وہ صریح جھوٹ ہے۔

ثالثاً۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا نہیں ہوئے بلکہ انکا باپ یوسف تھا۔

سر سید کے ترشحات قلم ملاحظہ فرمایئے حضرت ابراہیم کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں ہے کہ درحقیقت انکو آگ میں ڈالدیا گیا تھا۔ اصول تفسیر صہ ۱۷۔ آگے مزید گوہر ریزی یوں فرما رہے ہیں کہ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت میں کوئی نص صریح قرآن مجید میں موجود نہیں ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ (اصول تفسیر صہ ۱۷) پس کوئی وجہ اس بات کے خیال کرنے کی نہیں ہے کہ یوسف فی الواقع حضرت مسیح کے باپ نہ تھے۔ (تفسیر القرآن صہ ۲۰ جہ ۲)

اور پھر کسی وقت اپنی موت مر گئے۔ بلاشبہ یہودیوں کی عداوت کے خوف سے نہایت مخفی طور پر کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہو گا جو اب تک نامعلوم ہے اور یہ مشہور کیا ہو گا کہ وہ آسمان پر چلے گئے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر القرآن صہ ۴۱ جہ ۲)

حضرت مسیح کو یہودیوں نے نہ سنگسار کیا نہ صلیب دیا بلکہ اپنی موت مرے اور خدا نے انکے درجہ اور مرتبہ کو مرتفع کیا۔[1]

تفسیر القرآن صہ ۴۴ جہ ۲۔ از قلم سر سید۔

ان تمام سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے زمانہ کے سب لوگ

---

[1] یہ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ النساء ۱۵۹۔ کی تفسیر میں فرما رہے ہیں

اور خود حواری بھی جانتے تھے۔ اور یقین کرتے تھے کہ حضرت مسیح اپنے باپ یوسف کے تخم سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ بغیر باپ کے۔ تفسیر القرآن صہ۔۲۴ ج ۲۔ اس کی مدلل تردید کے لیے ملاحظہ ہو۔ ترجمان السنہ۔ تفہیم القرآن سورہ الاحزاب۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ط قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ط الخ (آل عمران ۴۷۔ مریم ۲۰)	مریم بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہو گا۔ درآنحالیکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ہے۔ ارشاد ہوا ایسے ہی اللہ پیدا کر دیتا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے۔

کے تحت سرسید لکھتے ہیں کہ۔

بطریق اعجاز حضرت عیسیٰ کے بن باپ کے پیدا ہونے پر معجزہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ تفسیر القرآن صہ ۱۵ ج ۲۔

القول القوی فی ردّ زور الغوی

خان بہادر سرسید لکھتے ہیں اٰیَۃً لِّلنَّاسِ کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیح کو بغیر باپ کے بطور ایک نشانی معجزہ کے پیدا کیا تھا۔ محض بیجا ہے یہاں ہم آیات قرآنی اور اکابرِ ملت کے اقتباسات کا ایک اجمالی نقشہ پیش کرتے ہیں تاکہ عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ الجھن نہ رہے کہ حضرت مسیح کا باپ کیوں نہ تھا؟

ارشاد ہے۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہٗۤ اٰیَۃً وَّ اٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ۔ (المؤمنون ۵۰)

اور ہم نے ابنِ مریم کو اور انکی والدہ کو ایک نشانی بنایا اور ہم نے ان دونوں کو بلند زمین پر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل اور شاداب تھی۔ امام رازی فرماتے ہیں مریم اور ابن مریم دو ہستیوں کا ذکر لاکر قیاس یہ چاہتا تھا کہ اٰیَتَیْنِ واحد

کی بجائے اٰیٰتٍ ہیں۔ کا تثنیہ استعمال ہوتا لیکن قرآن مجید نے صیغہ واحد لاکر ادھر اشارہ کردیا کہ حضرت عیسٰی کے معجزات مراد نہیں بلکہ کسی ایک ایسے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں آپ دونوں ماں بیٹا شریک ہیں اور ایسا عجیب وغریب بجز حضرت عیسٰی کی بے باپ کی ولادت کے اور کوئی نہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رح[له] بھی اس آیت کے تحت جوں کے توں رقمطراز ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ ایک نشانی ابن مریم تھے اور ایک نشانی خود مریم اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ ابن مریم اور اسکی ماں کو دو نشانیاں بنایا بلکہ فرمایا یہ ہے کہ وہ دونوں مل کر ایک نشانی بنائے گئے اسکا مطلب اسکے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ باپ کے بغیر ابن مریم کا پیدا ہونا اور مرد کی صحبت کے بغیر مریم کا حاملہ ہونا ہی وہ چیز ہے جو ان دونوں کو ایک نشانی بناتی ہے۔ جو لوگ حضرت عیسٰی کی پیدائش بے پدر کے منکر ہیں وہ ماں اور بیٹے کے ایک آیت ہونے کی کیا توجیہ کریں گے؟ تفہیم القرآن ص ۲۸۱ ج ۳۔ قرآن کی تصریحات سے صاف صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت باسعادت خارقِ عادت کے طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ دیکھئے حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے کے عالم میں ایک دفعہ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر ان سے پوچھا۔ اَنّٰى لَكِ هٰذَا؟ یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام نے سوچا کہ جو اللہ تعالٰی مریمؑ کو بے موسم میوے دینے پر قادر ہے وہ میرے بڑھاپے اور میری بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود ہمیں اولاد دینے پر بھی قادر ہے حضرت

له ولادت ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء موافق ۳ رجب ۱۳۲۱ھ توفی ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء شوال ۱۳۹۹ھ

مریمؑ کے پاس میووں کا حال دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام نے وہاں ہی اللہ سے دعا کی، پروردگار اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا فرما بیشک تو ہی دعا سننے والا ہے۔ آپ ابھی یہ دعا مانگ ہی رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ اللہ تجھے یحییٰ نامی بیٹے کی خوشخبری دیتا ہے مُصَدِّقًا بِکَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ ال عمران ۳۵۔ ۵۵۔ وہ اللہ کے ایک فرمان کی تائید کرنیوالا بن کر آئیگا۔ یہاں کلمۃ من اللہ یعنی اللہ کے فرمان سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی پیدائش اللہ تعالےٰ کے غیر معمولی فرمان سے خرقِ عادت کے طور پر ہوئی تھی اس لیے انکو قرآن میں کلمۃ من اللہ روح منہ کہا گیا ہے۔ لڑکے کی بشارت ملنے پر حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ال عمران ۴۰ - مریم ۸ -

پروردگار، بھلا میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہوگا۔ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ جواب ملا۔ قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰہُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ۔ ال عمران ۴۰ - مریم ۹) ایسا ہی ہوگا (یعنی تیرے بڑھاپے اور تیری بیوی کے بانجھ پن کے باوجود اللہ تجھے بیٹا دیگا) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میرے لیے یہ ذرا سی بات ہے حضرت زکریا علیہ السلام کو یحییٰؑ کی بشارت دیتے وقت فرشتوں نے اُن سے کہا تھا کہ یحییٰؑ کَلِمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ کی تصدیق کرنے والے بن کر آئیں گے۔ حضرت یحییٰ کی ولادت خارقِ عادت اور معجزہ کے طور پر ہو چکی تو اسکے چھ ماہ بعد حضرت مریم علیہ السلام کو فرشتے آکر اس کلمۃ من اللہ، کی جب بشارت دیتے ہیں تو وہ حیرت زدہ ہو کر فرماتی ہیں پروردگار میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا۔ یہاں بھی اللہ تعالےٰ نے جواب میں وہی لفظ کذٰلک ارشاد فرمایا ہے جو زکریا علیہ السلام کے جواب میں فرمایا تھا۔ جس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح معجزے

کے طور پر حضرت زکریاؑ کے بڑھاپے اور ان کی بیوی کے بانجھ پن کے باوجود ان کے ہاں حضرت یحییٰؑ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ لَذٰلِکَ ایسی ہی ہو گا کا لفظ لاکر اس طرف ایماء کر دیا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں بھی معجزانہ طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی۔

قارئین کرام! غور فرمایئے فرشتے جب حضرت ابراہیمؑ کو بڑھاپے میں آکر لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں تو آپکی اہلیہ محترمہ نے اپنے بڑھاپے اور بانجھ پن کے پیش نظر تعجب کیا کہ مجھے لڑکا کہاں سے ہو گا۔ وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ۔ میں بوڑھی بانجھ ہوں۔ قَالُوْا کَذٰلِکِ ملاحظہ ہو۔ الذاریات ۲۵ تا ۳۰ ، ہود ۶۹ تا ۷۲۔ فرشتوں نے کہا آپ کے ربّ کا یہی حکم ہے کہ ایسا ہی ہو گا یعنی بانجھ پن اور بڑھاپے کے باوجود آپکے ہاں لڑکا ہو گا۔ نیز حضرت زکریا علیہ السلام بھی ضعیف و نحیف ہو چکے تھے اور آپکی اہلیہ بھی بانجھ تھیں، انکو بھی جب فرشتوں نے آکر یہ خوشخبری دی کہ آپکے ہاں لڑکا پیدا ہو گا تو انکو بھی اپنے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ پن کے پیش نظر تعجب ہوا کہ اب لڑکا کیسے ہو گا تو قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ۔ مریم ۲ تا ۱۵۔ فرشتے نے کہا ایسا ہی ہو گا۔ تیرے ربّ نے فرمایا ہے یہ مجھ پر آسان ہے علامہ نسفیؒ بھی جوں کے توں لکھتے ہیں۔ ای خلق یحیی من کبیرین سھل۔ مدارک التنزیل صنٓ ج ۳۔ یعنی دو بوڑھوں میں سے یحییٰ کو پیدا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اسی طرح فرشتے جب حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہیں تو وہ بھی اپنے تجرد کی وجہ سے حیرت زدہ ہو کر کہتی ہے۔ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ پھر میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہو گا تو قَالَ کَذٰلِکِ قَالَ رَبُّکِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ۔ (مریم ۱۷) فرشتے نے کہا ایسا ہی ہو گا۔ تیرا ربّ فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے۔ علامہ نسفی رح

رقمطراز ہیں ای اعطاء الولد بلا اب علی سہل۔ مدارک التنزیل صہ ۳۱ ج ۳۔ معالم صہ ۵۶۶۔ یعنی بغیر باپ کے لڑکا دینا میرے لیے بہت ہی آسان ہے مقام غور ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کے استعجاب پر بھی یہی لفظ کَذٰلِكَ ایسا ہی ہوگا۔ استعمال ہوا ہے اور حضرت مریم علیہا السلام کے استعجاب پر بھی کَذٰلِكَ ایسا ہی ہوگا استعمال ہوا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جس طرح وہاں بانجھ پن اور بڑھاپے کے باوجود اولاد کے ہونے کی بشارت تھی اسی طرح یہاں حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں بھی بغیر باپ کے صرف نفخہ جبریلیہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش مراد ہے۔ اب قرآن کریم کی چند وہ آیات ملاحظہ کیجئے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کی ولادت پر گواہ ہیں۔

۱۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ...... اٰل عمران ۴۵	اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم، اللہ تجھے اپنے ایک فرمان (کلمہ) کی خوشخبری دیتا ہے اسکا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔
۲۔ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ (اٰلِ عمران ۴۷)	یہ سن کر مریم بولی، پروردگار میرے ہاں بچہ کہاں سے پیدا ہوگا مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ جواب ملا ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔
۳۔ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ	مریم بولی میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور

ؒ حضرت زکریا علیہ السلام کی بیوی کا نام۔ الیباع تھا جس کو انگریزی میں لزبیتھ کہتے ہیں۔

وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا۔ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ج وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ج وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ (مریم ۱۶ تا ۳۵)	میں بدکار عورت نہیں ہوں فرشتے نے کہا ایسا ہی ہو گا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام (یعنی بغیر باپ کے عیسٰی پیدا) ہو کر رہے گا۔

یہاں مقامِ غور ہے کہ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا باپ ہوتا تو حضرت مریم علیہا السلام یہ کبھی نہ فرماتی کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور اگر بات یہی تھی کہ حضرت مریمؑ کے ہاں بھی اسی معروف فطری طریقہ سے بچہ پیدا ہونے والا تھا جس طرح دنیا میں عورت و مرد کی مواصلت سے عورت کے ہاں ہوا کرتا ہے تو یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور یہ کہ ہم اس لڑکے کو ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں لِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ، اور هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ۔ یعنی ہم اس لڑکے کے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں اور ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے۔ کے لفاظ یہاں صریحاً معجزے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس ارشاد کا مطلب بجز اسکے اور کچھ نہیں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے معجزہ کے طور پر ہوئی تھی۔ اس خارقِ عادت کے طور پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش سے عیسائیوں کا رد کے لیے ضروری تھا کہ انکے باپ کی نشاندہی کرکے یہ بتا دیا جاتا کہ عیسٰیؑ کا فلاں باپ ہے لیکن قرآن نے شرک کی تردید کے لیے اور دلائل

پیش کر کے حضرت عیسیٰؑ کی بابت یہی بتایا ہے کہ وہ مریم کے بیٹے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپکی پیدائش معجزے کے طور پر بغیر باپ کے ہی ہوئی تھی اگر آپکا باپ ہوتا تو اسے عیسائیوں کے رد میں ضرور پیش کیا جاتا۔ ارشاد ہے

۱- وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ (البقرہ ۸۷) — اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دیکر بھیجا

۲- اِسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (آل عمران ۴۵) — اسکا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہوگا

۳- ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ (مریم ۳۴) یہ ہے عیسیٰ ابنِ (بیٹا) مریم

۴- اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ - النسآء - ۱۷۱- — بلاشبہ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اس کے سوا کچھ نہیں۔

نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا۔ نیز آپکی بن باپ کی ولادت پر وہ آیات بھی گواہ ہیں۔ جن میں آپکو کہیں خدا کی طرف سے روح اور کہیں خدا کا کلمہ فرمایا گیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے۔

۱- رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النسآء - ۱۷۱) — اللہ کا رسول اور اسکا فرمان (کلمہ) جو مریم کی طرف القا کیا گیا اور اس کی طرف سے روح۔

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ کہا گیا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے حضرت مریم علیہا السلام کے رحم پر یہ (کلمہ) فرمان نازل کیا کہ کسی مرد کے نطفہ سے سیراب ہوئے بغیر حمل کا استقرار قبول کر لے اور اس نے قبول کر لیا۔ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ۔ میں اسی حکم کو رحم مریم میں القا کرنے کا ذکر ہے۔

۲- وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا — اور وہ خاتون جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی ہم نے اسکے اندر اپنی روح

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (الانبیآء ۔ ۹۱) — سے پھونکا اور اسے اور اسکے بیٹے کو دنیا بھر کے لیے نشانی بنا دیا۔

۳۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ۔ (التحریم ۱۲) — اور مریم عمران کی بیٹی جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا تو ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی۔

نفخ روح کی بابت یہی بات حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بھی فرمائی گئی ہے کہ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۔ ص ۷۱ ۔ ۷۲ ۔ الحجر ۔ ۲۹ میں مٹی سے ایک بشر بنا رہا ہوں، پس (اے فرشتو) جب میں اسے پورا بنالوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو تم اسکے آگے سجدے میں گر جانا۔ یعنی اس کی طرف منہ کر کے نیز یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اللہ تعالےٰ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور حضرت آدم کی پیدائش کو ایک دوسرے سے مشابہ قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ (آل عمران ۔ ۵۹)

عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے جسکو اللہ نے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا، اور وہ ہو گیا۔ ان آیات پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے مٹی سے پیدا کر کے اُن میں اپنے حکم سے جان پھونک دی تھی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے رحم مریم میں پیدا کر کے ان میں اپنے حکم سے روح یعنی جان پھونک دی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کی بابت بھی یہی الفاظ وَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

معجزانہ طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ بغیر باپ کے اسی معجزانہ پیدائش کی وجہ سے عیسائیوں میں یہ عقیدہ قائم ہوگیا کہ عیسیٰؑ (معاذ اللہ) ابن اللہ، اللہ کا بیٹا ہے۔ اس باطل عقیدہ کے رد میں اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مثال پیش کر کے یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر محض اعجازی پیدائش ہی کی بناء پر کسی کو خُدا یا خُدا کا بیٹا بنایا جا سکتا ہے تو پھر تمہیں آدم علیہ السلام کے متعلق بدرجۂ اولیٰ ایسا عقیدہ تجویز کرنا چاہیئے تھا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام تو صرف بغیر باپ ہی کے پیدا ہوئے تھے مگر آدم علیہ السلام ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔

لفظ۔ روح۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جان، نفس، یعنی سانس وحی۔ حکمِ خداوندی۔ قرآن، جبرائیلؑ، سب پر روح کا اطلاق ہوتا ہے کیوں کہ وحی و حکم خداوندی اور قرآن سے روحانی زندگی ملتی ہے اس لیے انکو روح کہا جاتا ہے۔ اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کو روح اس لیے کہا ہے کہ ان کی اعجازی پیدائش بغیر باپ کے صرف اس حکم سے ہوئی تھی جسے حضرت جبرائیلؑ نے لاکر حضرت مریم کے گریبان میں پھونکا اور رحم مریمؑ میں القا کیا تھا۔ درحقیقت یہ القا ہوتے ہی یعنی جبرائیلؑ کے نفخ کرتے ہی فوراً حضرت عیسٰی علیہ السلام عدم وجود سے منصۂ شہود میں تشریف لے آئے تھے۔ یعنی جبرائیلؑ کے پھونکتے ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ امام محی السنہ رح رقمطراز ہیں۔ فقال ابن عباس رضی اللہُ عنہما کان الحمل والولادۃ فی ساعۃ واحدۃ معالم التنزیل صـ۵۶۶ ۔ قرطبی صـ۹۲ ج ۱۱ ۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیسٰیؑ کے حمل و ولادت بیک وقت ایک ہی ساعت میں ہوئے تھے۔ اگرچہ مدتِ حمل، سات اور آٹھ ماہ بھی بتائی گئی ہے لیکن قرآن کے ظاہری سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ جب آدمی کی شکل میں حضرت مریمؑ کے سامنے آئے تو انھوں نے آپکو لڑکے کی بشارت دی تھی تو آپ نے تعجب کیا اور کہا میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔ جبرائیلؑ نے فرمایا قَالَ

رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ۔ تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا کرنا (بغیر باپ کے اولاد دینا) میرے لیے بہت آسان ہے۔

دوسری آیتوں پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خدا کے حکم سے جب جبرائیلؑ نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں رُوح پھونکی تو وہ فوراً بار آور ہو گئیں فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۔ (مریم - ۲۲) پھر مریم کو اس بچّے کا حمل رہ گیا اور وہ اسے لیے ہوئے ایک دور مقام پر چلی گئی بلا شبہ زچگی کی تکلیف عورت کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی فطرت انسانی کے مطابق نو مولود بچہ زچہ کے لیے باعثِ مسرت بھی ہوتا ہے اس لیے یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس پر حضرت مریم علیہا السلام موت کو ترجیح دیتی اور افسوس کرتی اور کہتی۔ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا کاش میں اس (نو مولود کی ولادت) سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا۔ یہ واقعہ بجائے خود اس بات کی ایک بیّن اور بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام بے باپ پیدا ہوتے تھے۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام واقعی شادی شدہ تھیں اور عام عورتوں کی طرح انکے ہاں بھی شوہر ہی سے بچہ پیدا ہو رہا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ میکے اور سسرال سب کو چھوڑ چھاڑ کر زچگی کے لیے تن تنہا ایک دور دراز مقام پر چلی جاتیں اور پھر زندگی پر موت کو ترجیح دیتیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی زبان سے یہ الفاظ دردِ زہ کی تکلیف کی وجہ سے نہ نکلے تھے بلکہ انکو یہ فکر کھائے جا رہی تھی۔ کہ قوم کی لعنت و ملامت اور بدنامی سے کیسے بچیں گی اور جس خطرناک آزمائش میں انہیں ڈالا گیا ہے اُس سے بخریت عہدہ برآ کس طرح ہوں۔ مریمؑ کی اس گھبراہٹ اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کی جائے ولادت پر خارقِ عادت کے طور پر آناً فاناً ایک چشمہ جاری کر

اور کھجور کے ایک خشک تنے کو ہرا بھرا کر کے اسکے ساتھ فوراً کھجوریں لگا دیں اور مریمؑ سے فرشتے نے کہا غم نہ کر تیرے نیچے تیرے رب نے ایک چشمہ رواں رواں کر دیا ہے۔ اور تو اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تر و تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔ پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ اعجازی طور پر چشمہ جاری کرنا اور کھجوروں کا پکنا اس لیے تھا کہ انکو دیکھ کر حضرت مریمؑ کو یہ تسلی ہو کہ جس اللہ نے بغیر کسی ظاہری سبب کے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اسی نے کسی مرد کے چھوئے بغیر اعجازی طور پر مجھے بھی لڑکا بخشا ہے۔ دوسری پریشانی حضرت مریمؑ کو یہ بھی تھی کہ بچے کے معاملے میں لوگوں کے پوچھنے پر میں کیا جواب دوں گی۔ ارشاد ہوا کہ اس نوزائدہ کی پیدائش پر جو کوئی بھی معترض ہو اسکا جواب اب ہمارے ذمہ ہے۔

فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِیْٓ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا۔ پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔

حضرات قارئین کرام! غور فرمائیے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بے باپ کی ولادت کے منکر سے پوچھئے کہ اگر حضرت مریمؑ کے ہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی دنیا کے معروف طریقہ پر پیدا ہوئے تھے تو پھر حضرت مریمؑ کو چپ کا روزہ رکھنے کی ضرورت کیوں پڑی اور مریمؑ نے یہ الفاظ کیوں کہے کہ؟ کاش میں اس بچے کی ولادت) سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام و نشان نہ رہتا؟ کیا بچہ پیدا ہونے پر لوگوں کو رنج و غم ہوا کرتا ہے؟

شادی شدہ لڑکی کے ہاں جب پہلا بچہ پیدا ہو رہا ہو تو وہ چاہے تکلیف سے کتنی ہی تڑپے اسے رنج و غم کبھی لاحق نہیں ہوتا بلکہ نہ صرف اسے خوشی ہوتی

ہے پوری قوم اور سارا خاندان اسے مبارک باد دیتا ہے لیکن مریم علیہ السلام کو مبارکباد کے بجائے پوری قوم طعن وتشنیع اور ملامت کرنا شروع کردیتی ہے آخر کیوں؟ کیا یہ سارے واقعات اس بات کو واضح نہیں کررہے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت اعجازی طور پر بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ اور اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت معجزانہ طور پر نہ تھی بلکہ دنیا کے معروف طریقے کے مطابق مریمؑ اور انکے خاوند کی مواصلت سے آپکی پیدائش ہوئی تھی تو پھر بچہ لیئے ہوتے اُن کے آنے پر ان کی قوم کیوں چڑھ کر آئی اور ان پر اس طعن اور ملامت کی بوچھاڑ اس نے کیوں کی؟۔

یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا۔ اے مریم یہ تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ یعنی اے مریم تو ایک عجیب بناوٹی چیز لائی ہے یٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا

اے ہارونؑ کی بہن نہ تیرا باپ کوئی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی یہ الفاظ بھی صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت عیسٰی کی ولادت بدون باپ کے ہوئی تھی ورنہ قوم بدگمان ہوکر کبھی یہ نہ کہتی کہ تیرے ماں باپ بڑے پاکباز تھے تو یہ لڑکا کہاں سے لائی ہے۔؟

قوم کی طرف سے یہی طعن تشنیع اور اعتراضات کی بوچھاڑ ہورہی تھی کہ۔

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ تو مریم نے گود میں اٹھائے ہوئے بچے یعنی عیسٰی علیہ السلام کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا کہ خود اس سے دریافت کرلو۔ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا۔ لوگوں نے کہا ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بے باپ کی پیدائش کے سرسید اور مرزا منکر ہیں انہوں نے یہاں قرآن کی تحریف کرتے ہوئے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو کل کا بچہ ہے یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ عیسٰی کی یہ گفتگو

جوانی کے وقت ہوئی اور بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں نے کہا کہ بھلا اس لڑکے سے کیا بات کریں جو کل ہمارے سامنے گہوارے میں پڑا ہوا تھا۔ درحقیقت یہ محض ایک نہایت کمزور تاویل ہے جو انہوں نے معجزے کو تسلیم کرنے سے بچنے کے لیے کی ہے ورنہ جو شخص بھی تفکر و تعقل سے کام لیکر قرآن کے سیاق و سباق پر غور کریگا وہ یہی نتیجہ اخذ کریگا کہ جس بات پر اعتراض کرنے کے لیے حضرت مریمؑ کی قوم ان کی طرف دوڑ کر آئی تھی وہ بچے کی اعجازی پیدائش کے وقت پیش آئی تھی نہ کہ اسکے جوان ہونے کے وقت۔ قرآن حکیم کی یہ آیت اور دوسری آیتیں بھی اس بات کی قطعی صراحت و وضاحت کرتی ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے یہ اعجازی کلام جوانی میں نہیں بلکہ گہوارے میں ایک نوزائیدہ بچے کی حیثیت ہی سے کیا تھا چنانچہ اوپر سورہ آل عمران کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ فرشتے نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ اللہ تجھے اپنے فرمان (کلمۃ منہ) کی بشارت دیتا ہے، اسکا نام مسیح عیسٰی ابنِ مریم ہوگا۔ اس پر مریمؑ کو یہ فکر ہوئی کہ یہ تو ایک بدنامی کا باعث ہے۔ فرشتے نے کہا وہ دنیا اور آخرت میں وجیہ و معزز ہوگا اور اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائیگا۔ پھر مریمؑ کے دل میں یہ بات گزری کہ وہ تو کبھی جاکر باعزت ہوگا۔ لیکن ابھی اس اعجازی ولادت پر جو بدنامی اور لوگوں کے اعتراضات ہونگے انکا کیا ہوگا؟ اس پر ارشاد ہوا وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کریگا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی یہاں یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ گود میں بات کرنا تو ایک معجزہ ہوا لیکن بڑھاپے میں بات کرنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ بڑھاپے میں بات کرنے کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ عیسٰیؑ نے گود میں تو معجزانہ طور پر بات کی ہے اور جوانی میں بھی لیکن بڑھاپے میں بات کرنا ابھی باقی ہے اور وہ نزول کے بعد کریں گے کیونکہ ۳۳ سال کی عمر میں آپکو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا تھا۔ منکرین معجزات نے یہاں یہ تاویل کی

کی ہے کہ مریمؑ کو تسلی دی گئی تھی کہ بچہ گونگا نہیں ہوگا بلکہ باتیں کریگا۔ سورہ المائدہ ۱۱۰۔ میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَکَهْلًا ج تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑھاپے میں پہنچ کر بھی۔ یاد رہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے گہوارے میں جو بات کی اسکا ذکر سورہ مریم میں یوں ہے کہ لوگوں کے اعتراض پر حضرت مریمؑ نے جب عیسٰیؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اسی سے پوچھ لو، تو وہ گود میں سے فوراً بول اٹھے کہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ قف میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔ اس میں عیسٰیؑ کی اُلوہیت کی تردید کر دی گئی ہے آگے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہوا ہے کہ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ اور (مجھے اللہ نے) اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار (سرکش) اور شقی نہیں بنایا وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ میں صرف ماں کا ذکر کیا گیا ہے یہ بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا باپ تھا ہی نہیں۔ اگر آپکا باپ ہوتا تو پھر آیت یوں ہوتی کہ۔ وَبَرًّا بِوَالِدَیَّ والدین کا حق ادا کرنے والا۔ یعنی والدین کا حق ادا کرنے والا نہیں فرمایا بلکہ صرف والدہ کا حق ادا کرنے والا فرمایا ہے۔ یہ بھی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کا باپ کوئی نہ تھا اگر کوئی ہوتا تو اسکا ذکر بھی ہوتا جیسا کہ سورۃ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بابت ارشاد ہے۔ وَبَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔ (مریم - ۱۴) اور وہ اپنے ماں باپ کا حق شناس تھا وہ جبار نہ تھا اور نہ نافرمان نیز قرآن وحدیث میں ہر جگہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ابن مریم ہی کہا گیا ہے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آپکا باپ کوئی نہ تھا۔

لفظ آیت کے معنی پر ایک نظر

اوپر آپ سرسیّد کے تحریفانہ و منکرانہ تاویلات پڑھ آئے ہیں اوپر دی گئی آیتوں پر مکرر غور فرمائیے اور آیت کے متعارف معنی بھی ذہن نشین کرتے چلئے اور پہلے یہ ملاحظہ ہو کہ سرسیّد لفظ آیت پر تحریفی بحث کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں کہ ہم آیات بیّنات سے جہاں کہ وہ خدا کی طرف سے بولا گیا ہے وہ چیز مراد نہیں لیتے جسکو لوگ معجزہ یا معجزات کہتے ہیں گو تمام مفسرین اکثر مقامات میں بلکہ کل مقامات میں ان الفاظ سے معجزات ہی مراد لیتے ہیں مگر یہ غلطی ہے۔ ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن صد ۱۰۶ ج ۱۔

اب پوری امت کے علماء کرام اور عربی لغت کو دیکھئے کہ وہ لفظِ آیت کی بابت کیا فرما رہے ہیں۔

والآية: من التنزيل و من آيات العزيز قال ابوبكر، سميت الآية من القرآن آيــة لانها علامة لانقطاع كلام من كلام و يقال سميت الآية آية لانها جماعة من حروف القرآن۔ وآيات الله عجائبه والآية العبرة و جمعها آيٌ قال تعالى۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوسُفَ وَاِخْوَتِهٖ اٰيٰتٌ لِّلسَّائِلِيْنَ (یوسف-۷) ای امور و عبرٌ مختلفة۔ و قوله عز و جل

آیت قرآن کریم کی تنزیل ایک بات کو کہتے ہیں۔ ابوبکر نے کہا کہ قرآن حکیم کی آیت کو آیت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کلام کو کلام سے الگ کرنے کی ایک نشانی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آیت کو آیت اس لیے کہتے ہیں کہ وہ حروف کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ اور عجائبات قدرت بھی اللہ کی نشانیاں ہیں اور عبرت کو بھی آیت کہتے ہیں اور اسکی جمع آیٌ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یقیناً یوسف اور اسکے بھائیوں کے قصہ میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں موجود ہیں یعنی

وَجَعَلْنَا ابن مريم و امه
آيةً و لم يقل آيتين لان
المعنى فيهما معنى آية
واحدة قال ابن عرفة۔ قصتهما
واحدة - و قالوا البو منصور
لان الآية فيهما معًا
واحدة - وهى الولادة
دون الفحل الخ
الآية - عبرة - ج آى
آيات - الآية -
علامت -

مختلف امور اور عبرتیں ہیں ۔ اور ہم نے
مریم کے بیٹے عیسیٰؑ اور اس کی ماں کو ایک
نشانی بنایا ۔ یہاں (آیتین) دو نشانیاں
نہیں فرمایا ۔ کیونکہ دونوں میں ہر ایک
کے ساتھ ایک ہی نوع کی دوسری نشانی
ہے اور وہ بلا باپ کے مریمؑ علیہا السلام کے
ہاں بیٹے کی ولادت ہے ۔ اور عیسیٰؑ
کو آیت اس لیے کہا ہے کہا ہے کہ اللہ
نے مریم سے نفخِ روح کے ذریعہ انکو
پیدا کیا ہے جو کہ عام ولادت میں ایسا
نہیں ہوتا ۔ آیت کو عبرت بھی کہتے ہیں
جس کی جمع آیٌ اور آیات ہے
آیت بمعنی علامت ۔ نشانی ہے ۔

اَلْعِبْرَةُ وَالْاِعْتِبَارُ عبرت اس حالت کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے کسی دیکھی ہوئی چیز کی وساطت سے آدمی ان دیکھے نتائج تک پہنچ جائے یعنی معلوم سے مجہول اور مشاہد سے غیر مشاہد تک پہنچنے کو آیت اور عبرت کہتے ہیں ۔

والعبرة مختصة بالحالة التى يتوصل بها من معرفة المشاهد الى ما ليس بمشاهد ۔ اور لفظ عبرت دیکھی چیز کی معرفت سے ان دیکھی چیز تک پہنچنے کے لیے مخصوص ہے ۔ قرآن حکیم میں ہے

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً (آل عمران ۱۳) بیشک اس میں عبرت ہے

فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر۲) پس عبرت پکڑو اے آنکھ والو۔

لفظ آیۃ۔ بلند عمارت پر بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَۃً تَعْبَثُوْنَ۔ الشعراء ـ ۱۲۸ - کیا بناتے ہو تم ہر اونچی زمین پر ایک نشان کھیلنے کو۔ کیونکہ یہ چیز ان لوگوں کی اعلیٰ کاریگری کی ایک علامت اور نشانی سمجھی جاتی تھی۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَاُمَّہٗٓ اٰیَۃً۔ (المؤمن - ۵۰) اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی یعنی قدرت الٰہیہ کی ایک اعجازی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بدوں باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔

غور فرمایئے ماں بیٹے کو آیَتَیْنِ دو آیتیں کہنے کی بجائے اٰیَۃً ایک ہی آیت (نشانی) کہا ہے کیونکہ یہ دونوں ماں بیٹا بحیثیت مجموعی ایک ہی آیت (نشانی) بنتے ہیں۔ کما مر۔

عقیدۂ وفاتِ عیسیٰؑ گمراہانہ مزلت ہے

اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ سرسید کہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام طبعی موت مر گئے ہیں اور ان کی قبر کسی نامعلوم جگہ پر ہے لیکن قرآن کریم اس طرف مشیر ہے کہ وہ زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے ہیں۔ عقیدۂ وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام بہت بڑی غلط فہمی اور گمراہی کا باعث ہے جو قرآن فہمی سے بُعد علی بُعد پر مبنی ہے مرزا قادیانی اور سرسیدؒ کے فتنہ انکار اسلامی تعلیمات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ لازمۂ ایمان اور شرطِ اسلام ہو چکا ہے اس سے انحراف کرنا قرآن و حدیث اور اسلام سے بُعد اور گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کو نہ تو کسی نے قتل کیا اور نہ ہی سولی پر چڑھایا اور یقیناً انکو قتل نہیں کیا گیا۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء ۱۵۸) یہاں الیہ سے مراد آسمان پر اٹھالینا ہی ہے۔ یعنی بلند شان و حکمت والے خالق کائنات نے حکیمانہ طور پر اپنے پیغمبر کو اسکے دشمنوں کے نرغہ سے محفوظ کر کے اسکے وقت مقررہ تک زندہ آسمانوں پر پہنچا دیا ہوا ہے اس جگہ مرزا قادیانی اور سر سید نے رفع جسمانی سے جو انکار کر کے درجہ و مرتبہ کا مرتفع ہونا بتایا ہے یہ انکا قرآن فہمی سے بُعد اور اسکا کھلا انکار ہے کیونکہ صاحب قرآن نے اس کی اصل شرح میں حدیث متفق اور ثقہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے ہیں اور قیامت کے قریب دمشق کی جامع مسجد کے مینار پر نازل ہو کر دجال کو واصل جہنم کر کے متاہل ہونگے اور پھر طبعی موت سے ہمکنار ہو کر روضۂ نبوی میں دفن ہونگے جہاں ارشاد نبوی کے مطابق چوتھی قبر کی جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت عزیز لاکر یہ بات صاف کر دی ہے کہ خالق کائنات اپنے نبی کو ہر طریقے سے بچا لینے پر بھی قادر ہے اور اسے آسمانوں پر اٹھا لینے پر بھی قادر ہے اور رفع جسمانی اور رفع روحانی بھی اسی کے دست قدرت میں ہے لیکن پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی الہی کی تعلیم کے مطابق رفع جسمانی و حیاتِ عیسٰیؑ کو تسلیم کرنا ایمان کا جزء ہے۔ آیت کے آخر میں اللہ تعالےٰ نے اپنی صفت حکیم لاکر یہ بات اور اجلی و اسنی اور اصفیٰ کر دی ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لینا ہی مقتضائے حکمت ربانی تھا۔ حکیم حقیقی کی اس حکمت کاملہ کو تسلیم کرنے ہی کا نام ایمان و اسلام ہے۔

سورہ نساء کی مذکورہ آیت سے متصل آیت نازل فرما کر اللہ تعالےٰ نے حیات عیسٰیؑ پر ایک اور بیّن ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۔ (النساء ۔ ۱۵۹)

اور جتنے فرقے ہیں اہل کتاب کے سو عیسیٰ پر یقین (ایمان) لاویں گے اس کی موت سے پہلے۔

(ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ ۔ شیخ الہندؒ)

اور اہل کتاب سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اسکی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائیگا۔ ترجمہ از حضرت لاہوریؒ۔ اس کے حاشیہ پر خامہ فرسا ہیں۔

جب عیسیٰؑ دوبارہ زندہ آسمان سے نازل ہوں گے تو سب اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی روح اللہ روحہ بھی اس کی تفسیر میں جوں کے توں ارقام فرماتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ موجود ہیں آسمان پر۔ جب دجّال پیدا ہوگا تب اس جہان میں تشریف لاکر اسے قتل کریں گے۔ اور یہود و نصاریٰ ان پر ایمان لائیں گے کہ بیشک عیسیٰؑ زندہ ہیں مرے نہ تھے۔

۳۔ اہل کتاب میں ایک بھی ایسا نہ بچے گا جو حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لاچکے۔ حضرت مولانا محمد رحمہ اللہ جوناگڑھی اہل حدیث۔

۴۔ امام ابن کثیرؒ ارقام فرماتے ہیں۔

حضرت روح اللہ علیہ السلام کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ مَوْتِهٖ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں خدا کی قسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پاس

زندہ موجود ہیں جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ جو آپ پر ایمان نہ لائے حضرت مجاہدؒ۔ حضرت قتادہؒ حضرت عبدالرحمٰنؒ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور ابن جریرؒ فرماتے ہیں تمام اقوال میں سے زیادہ تر صحیح قول یہی ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمان سے قیامت کے قریب نازل ہونگے تو اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر۔ ابن کثیر۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اہل کتاب کا آپ پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ عیسائی یہ تسلیم کر لیں گے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ کے بندے اور اسکے رسول ہیں اور یہودی اس بات کو تسلیم کر لیں گے کہ انہوں نے عیسٰی علیہ السلام کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ وہ زندہ صحیح سالم آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے جو اب نازل ہوئے ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے پاک باز بندے اور اسکے رسول ہیں۔ جو کچھ یہود و نصاریٰ کہتے تھے وہ سب کذب و افترار کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اب تک تو یہود و نصاریٰ آپ پر صحیح ایمان نہیں لائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بحیات موجود ہیں۔ وقت موعود پر نزول فرما کر خدا تعالےٰ کے اس فرمان اور پیشگوئی کا مصداق بن کر اسے پورا کریں گے۔ اسی لیے علمائے کرام نے قرآن حقائق کو بیان کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ آیت مذکورہ میں۔ بِہٖ کی ضمیر بالاتفاق حضرت عیسٰی علیہ السلام کی جانب ہے۔ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ۔ یعنی آپکا جو اصل مرتبہ عنداللہ ہے۔ اہل کتاب اسکا اعتراف و اقرار کر کے ہی رہیں گے اور اب تک ایسا نہیں ہوا جسکا صاف مقصد یہی ہے کہ عیسٰی علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں اور آپ کے نزول کے بعد ہی اسکا وقوع و ظہور ہوگا۔ غور فرمائیے یہ آیت بھی حیات عیسٰی پر شاہد عدل ہے۔

ثلج صدر کے ساتھ ذرا غور فرمایئے کہ قرآن وحدیث نبیؐ صحابہ کرام۔ علمائے امت مفسرین فخام۔ محدثین عظام اور پوری امت یہ کہہ رہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں لیکن سرسیّد اور مرزا غلام احمد قادیانی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سرسید تحریر کر گئے ہیں کہ۔ پہلی تینوں آیتوں سے حضرت عیسٰیؑ کا اپنی موت سے وفات پانا اعلانیہ ظاہر ہے الخ مگر علمائے اسلام نے بہ تقلید نصاریٰ کے قبل اسکے کہ مطلب قرآن مجید پر غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسٰی زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کو بیجا کوشش کی ہے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن ص۴۳ ج ۲۔ الامان والحذر غور ہو کہ سرسید کی تحریر تو یہ کہتی ہے کہ معاذ اللہ استغفر اللہ جو چیز خدا کے آخری پیغمبر۔ صحابہ کرام۔ تابعین عظام اور پوری امت کے علمأ و محدثین رحمہم اللہ کو معلوم نہ ہو سکی وہ صرف سرسید ہی کے علم میں آئی ہے اسی لیے وہ پوری امت کے خلاف غوغا آرائی کرتے گئے ہیں۔

قرآن کریم میں چند جگہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آیۃ للناس کہا ہے جسکے معنی ہیں عجیب و غریب معجزاتی نشان اور سرسید چونکہ معجزات کے بھی منکر ہیں اس لیے وہ تحریر کرتے ہیں کہ

ایۃً للناس کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیح کو بغیر باپ کے بطور ایک نشانی معجزہ کے پیدا کیا تھا محض بیجا ہے۔ (تفسیر القرآن ص۲۸ ج ۲)

. . . . . . لفظ رفع کا بھی آیا ہے جس سے حضرت عیسٰیؑ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ انکے جسم کو اٹھا لینے کا۔ (تفسیر القرآن ص ۴۳ ج۲ ص ۴۴ ج ۲)

آج لوگ بھارت نژاد یہودی سلمان رشدی راکن برطانیہ کو نبی ملیہ

السلام کی گستاخی کرنے کی وجہ سے واصل جہنم کرنے کے لیے بیتاب ہیں اور بنگلہ دیشی ملحدہ تسلیمہ نسرین کو ٹھکانے لگانے کی فکر میں ہیں جنکے خرافات سے صرف غیر مسلم اشخاص کو اسلام کے خلاف محاذ آرائی میں مدد ملی ہے۔ اور سر سید کی تحریرات ونظریات تو واللہ عالم کتنے ہی سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان میں نقب لگا چکے ہیں اور اعداء دین کو دین کے خلاف کتنے خرافات ہاتھ آچکے ہیں۔

سر سیدؒ کا فتنۂ انکار اسلامی تعلیمات

سر سید نے جب مذہب وملت کو قربان کر کے سفید فام قوم کا قرب حاصل کر لیا تو دنیا پرستوں نے حریص نظروں سے انہیں ملکۂ وکٹوریہ سے مصافحہ کرتے اور اسکے سامنے جھک کر اسے سلام کرتے اور گھٹنے ٹیکتے اور ملکہ کے نرم ونازک حسین ہاتھوں پر بوسہ دیتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ دینی تعلیمات کو تجنے سے ہی سید کو یہ رتبہ حاصل ہوا ہے لہذا سید کے متفرنج جدید اسلام کو اپنانے کے لیے سید کے کٹھرے میں آآکر وہ سید کے نظریات کاسدہ کو اپناتے گئے اور فریب خوردہ فرنگ کے فریفتگان اور سید کے کارپردازوں کا ایک قافلہ کارمند بنتا گیا جس نے اسلام اور علمائے اسلام کے خلاف محاذ آرائی شروع کر کے بعض سادہ لوح مسلمانوں اور مغربی تعلیم یافتہ پود کو جادۂ حق سے کھینچ کھینچ کر اتارنا شروع کر دیا۔ مثلاً سید امیر علی[1] بنگالی کو لے لیجئے جو ۶ اپریل ۱۸۴۹ء کو ہگلی کے قریب ایک گاؤں جنسورہ میں پیدا ہوا اور کلکتہ وغیرہ کے انگریزی کالجوں میں پڑھا اور ۱۸۷۸ء میں ریزیڈنس مجسٹریٹ بن گیا پھر ہندوستان کے وائسرائے سر ڈفرن کی سالی سے شادی کر لی تو سفید فام زمرہ کے نور نظر بن گئے اور ۱۸۹۱ء میں سید محمود پسر سید احمد خان بہادر کے بعد دوسرے مسلم نما شخص جج کے منصب سے سرفراز ہو کر ۱۹۲۸ء میں اس کارگاہِ عالم سے

---

[1] سید امیر علی اثنا عشری شیعہ تھا۔ فکر ونظر۔ اسلام آباد، شمارہ جولائی ستمبر ۱۹۹۴ء

انتقال مکانی کر گئے۔ انہوں نے اسلام کے نام سے چند کتابیں تالیف کر کے سر سید ہی کے نظریاتِ کسیدہ کی اشاعت کی ہے اور اچھے خاصے بعض مذہبی حضرات بھی اس کفس کادمیں پھنس کر انکی اشاعت کر رہے ہیں مثلاً مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب اسلام کی آ۔ با۔ تا۔ سے واقف ہیں وہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے کار پرداز ہیں ان کی نگرانی واجازت سے سید امیر علی کی کتاب۔
SPIRT OF ISLAM۔ کا اردو ترجمہ روح اسلام۔ کے نام سے شائع ہوئی ہے جو سبب کی سب سر سیدؒ کے انکارِ ایمانیات کی شرح ہی ہے مثلاً سید امیر علی خامہ فرسا ہیں ان لوگوں (علمائے اسلام) نے قرآن کے سادہ الفاظ پر خوبصورت اور شاندار قصوں کے حاشیے چڑھا دیئے۔ ملاحظہ ہو، روح اسلام صہ ۱۲۷ اردو۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم کی اصل شرح اور تفسیر احادیث نبوی ہی ہیں جسکے یہ لوگ منکر ہیں اور سید امیر علی نے خوبصورت حاشیئے اور شاندار قصے حدیثوں ہی کو کہا ہے۔ الامان والحذر۔ پھر مزید تحریر کرتے ہیں کہ۔ راویوں نے اس واقعہ (معراج) کو جو خوبصورت لباس پہنایا ہے اسکے باوجود یہ ایک عظیم الشان رؤیا ہی ہے۔ ملاحظہ ہو، روح اسلام ترجمہ سپرٹ آف اسلام صہ ۱۲۸۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس آدمی کا بھی قرآن پر ایمان ہے وہ اسے حق پر مبنی ایک سچا واقعہ تسلیم کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام کو بحالت بیداری روح اور جسم دونوں کے ساتھ معراج کرائی گئی ہے اور نبی علیہ السلام وصحابہ کرام اور پوری امت مسلمہ کے مطیع ومنقاد افراد کا اس پر ایمان ہے اور قرآن وحدیث اس پر گواہ ہیں کہ معراج النبیؐ اسرار دیں اور رموز کائنات کے عجیب وغریب عجائبات قدرت کے انکشافات سے ایمانیات کی ترصیص وتحصین کے لیے تھا۔ تدبروا وتفکروا۔

خیال فرمایئے اب اسلام کے حقائق سے ناواقف کتنے لوگ اس کتاب کو پڑھ کر جادۂ حق سے دور ہوئے ہونگے اور ہونگے۔ ایمان واسلام تو اسکے متقاضی ہیں کہ مسلمانوں کے ملک میں ایسی کتب کی اشاعت ممنوع ہونا چاہیئے دراصل یہی وہ چیزیں ہیں جو فرقہ بناتی ہیں اور انہی سے فرقہ آرائی کی مہلک وبا ہر پھیلتی ہے۔ لیکن یہ عجیب گورکھ دھندا ہے کہ جو لوگ اس فرقہ آرائی سے روکتے ہیں اصحاب لبست کشاد انہی کو فرقہ ساز کہتے ہیں کسی نے کیا پتے کی بات کہی ہے کہ ؎

چلتی کو یہ گاڑی کہیں دودھ بنے تو کھویا
رنگی کو یہ نارنگی کہیں دیکھ کبیر رویا!

علامہ شبلی نعمانی بھی سید کے ہم کیش تھے اسی لیے انہوں نے سیرت النبیؐ میں معجزات وکرامات کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

سید سلیمان[1] ندوی رحمہ اللہ نے اس کی مکرر سہ کرر تصحیح تو کی ہے لیکن اب بھی یہ تصحیح طلب ہے کیونکہ اس میں اب بھی علمی اور تاریخی اغلاط موجود ہیں مثلاً شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ غزوہ موتہ میں صحابہ کرام کو شکست فاش ہوئی تھی اور اہالیان مدینہ نے واپسی پر شکست خوردہ ان لوگوں پر خاک پھینکی تھی حالانکہ بخاری کتاب الجہاد میں نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد مبارک مجاہدین اسلام فاتحین موتہ کی فتح کا آج بھی اعلان کررہا ہے کہ حتی فتح اللّٰہ علیہم۔ یعنی حضرت خالد بن ولید اس جگر کادی سے لڑے کہ اللہ تعالےٰ نے انکو دو لاکھ رومی افواج پر

---

[1] ضلع پٹنہ کے قصبہ دلسہ میں ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے توفی ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کراچی۔

فتح دے دی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے احقر کی کتاب فلسفہ خاتم الانبیاء۔ فلسفہ غزوات نبوی۔ والسیرت النبویہ لعلامہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔

● منکر حدیث غلام احمد پرویز ولد ۱۹۰۳ء توفی ۲۴ فروری ۱۹۸۵ء نے پہلے بھارت میں قرآن کی تحریف کر کے تین جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی جسکو اس وقت کے علماء کرام نے ضبط کرا دیا پھر پاکستان میں آکر اس نے وہ زہر اگلا کہ جس نے کئی نوخیز جوانوں کو ایمان کی دولت سے محروم کر دیا طلوع اسلام ایک جریدہ جاری کر کے اسلام کی شفاف عمارت پر اپنے تکدر کی چھینٹے پھینکتا رہا۔ اور پھینکتا ہی چلا گیا۔

● ڈاکٹر غلام جیلانی برق ولد ۱۹۰۱ء توفی ۱۲ مارچ ۱۹۸۵ء موافق ۱۹ جمادی الثانی ۱۴۰۵ھ بھی سرسید کے معتقد پیروکار تھے انہوں نے الحاد کی گندگی خوب پھیلائی انہوں نے دو قرآن لکھ کر یہ ثابت کیا کہ ایک قرآن اسلاوہ ہے جسے سید کے اتباع میں برق صاحب مانتے ہیں اور دوسرا قرآن وہ ہے جسے نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام کی تعلیم کے مطابق ملا لوگ پڑھا پھیلا رہے ہیں پھر دو اسلام نامی کتاب لکھکر یہ تاثر دیا کہ ملا لوگ جو اسلام پیش کر رہے ہیں یہ پرانی غلط روش ہے۔ صحیح اسلام وہ ہے جو سرسید کے نظریات پر مبنی برق صاحب پیش کر رہے ہیں ایسی بیسیوں کتابیں الحاد آموز لکھ گئے آخر خالق کائنات کی رحمت نے انکا ہاتھ پکڑا اور حضرت مولانا مجاہد الحسینی زید عرفانہ انکی کے بڑے دوست اور تبلیغ کے ذریعہ سے ارتداد والحاد سے تائب ہو کر تجدید ایمان کر گئے اور تلافی مافات کے لیے جس حدیث کے منکر تھے اسی کی بابت حجیت حدیث لکھ گئے۔ خدا کے حضور میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے انکو معاف فرما کر جنت میں اعلیٰ جگہ سے سرفراز فرمائے۔

کیا اچھا ہوتا کہ اپنے ماحی اسلام کے دور کی تمام کتابوں کی قانوناً اشاعت بند کرا کے خدا کے پاس پہنچتے۔

● درحقیقت مسلمانوں کے مذہب اسلام کے خلاف الحاد پھیلانے والوں کی پشت پناہی شروع ہی سے کفار کرتے آتے ہیں جیسے کہ مرزا غلام احمد متنبی قادیان اور سر سید اور انکے اعوان وانصار کی پشت پر تھپکی لگانے والے انگریز تھے اس بات کو سمجھنے کے لیے اپنے سامنے کے دو واقعات پر نظر امعان کیجئے کہ بھارت کے یہودی نژاد سلمان رشدی ساکن لندن نے شیطانی آیات نامی کتاب لکھکر اسلام اور صاحب اسلام کی توہین برطانیہ کی شہ پر کی ہے تب ہی تو لاکھوں روپے ماہانہ خرچ کے باوجود برطانیہ حکومت اسے برابر تحفظ دیتی چلی آرہی ہے وگرنہ رشدی ملحد اتنی جسارت کہاں کر سکتا تھا۔ پھر بنگلہ دیش کی ملحدہ تسلیمہ نسرین نے جب کہا کہ حقوق نسوانی کی بحالی کے لیے قرآن پر نظر ثانی کی جانی چاہیئے۔ ایسے لفظ کا کہنا صریح کفر ہے بلاد البیضان والوں نے جب دیکھا کہ یہ کافرہ مسلمانوں کے باہمی چپقلش اور مخاصمت ومشاجرت کے لیے بڑی موزوں ہے تو انہوں نے اسے یکے بعد دیگرے کئی مغربی ممالک نے پناہ دینے کی پیش کش کردی۔ آخر سکنڈے نیویہ کے ممالک سے سویڈن نے اسے پناہ دے ہی دی اور وہاں پہنچتے ہی اسے اس سلسلہ میں بھاری انعام بھی دے دیا گیا۔ اِدھر بنگلہ دیشی حکومت نے بھی معاندین اسلام کو خوش کرنے کے لیے اس ملحدہ کو ملک چھوڑنے کی اجازت دے دی شاعر مشرق نے خوب کہا ہے کہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بولہبی !

کیا یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں نہیں رہے

جو قرآن حکیم اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی کے ذریعہ سے دیا ہے وہ کہتا ہے کہ سیدنا یونس[1] علیہ السلام کو حکمت الٰہیہ کے مطابق مچھلی کے پیٹ میں بھیجنے کے بعد پھر قدرت کاملہ نے صحیح سالم حالت میں مچھلی سے اُگلوا دیا۔ لیکن سرسید کا عقیدہ قرآن کے خلاف یہ تھا کہ مچھلی نے یونسؑ کو نگلا نہیں صرف منہ میں پکڑ کر چھوڑ دیا تھا۔ سید تحریر کرتے ہیں کہ . . . حضرت یونس کے قصے میں اس بات پر قرآن مجید میں کوئی نص صریح نہیں ہے کہ درحقیقت مچھلی انکو نگل گئی تھی۔ ابتلع کا لفظ قرآن میں نہیں ہے التقم کا لفظ ہے جس سے صرف منہ میں پکڑ لینا مراد ہے۔

ملاحظہ ہو تحریر فی اصول التفسیر صہ ۱۷۔

آگے لکھتے ہیں کہ التقم کے معنی قاموس میں صرف منہ میں پکڑ لینے کے ہیں نگلنے کے نہیں . . . الخ

سرسید صاحب لغت عربی کے کورے تھے اس لیے ان سے یہ ذھول ہوا ہے۔ اب لغت عربی پر عمیق و امعان نظر ڈال لیجئے تاکہ اصل حقیقت کا انکشاف ہو جائے اور سید کے نزدیک لغت ایک ظنی چیز ہے۔ کما مر

لغت عرب کے امام علامہ ابن منظور افریقی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں، بار بار نگلنے یعنی کثرت سے کھانے کو بلع کہتے ہیں اور لقمہ ایک بار نگلنے کو کہا جاتا ہے۔ و رجل بلع و مِبْلَعٌ و بُلَعَةٌ اذا کان کثیر الاکل۔ (لسان العرب صہ ۲۰ ج ۸)

---

[1] یونس۔ عبرانی ہے۔ بمعنی رکن دین۔ ستونِ دین

واللقمة اكلها بمرة اللقم سرعة الاكل۔ (لسان العرب صد ۵۴۶ ج ۱۲)	لقمہ ایک ہی بار نگل جانے کو کہتے ہیں لقمہ کسی چیز کو ایک بار جلدی سے نگل جانے کا نام ہے۔ لقمہ کسی چیز کو جلدی سے ایک بار کھانے کو کہتے ہیں۔
رَجُلٌ تِلْقَامٌ یلتقم کل شئی واسع لحلق۔ لقم۔ لقمت الطّعام القمہٗ وتلقّمتہ	بڑے بڑے لقمے نگلنے والا مرد۔ کسی چیز کو ہڑپ کر جانے کا نام لقمہ ہے۔ جس کے معنی کسی چیز کو ہڑپ کر جانے کے ہیں۔

(انظر مفردات القرآن)

مولانا سید احمد دہلوی ولد ۸ جنوری ۱۸۴۶ء موافق ۹ محرم ۱۲۶۲ھ آپ عبدالرحمن مونگیری شاہ اسماعیل کے ساتھی جنگ آزادی کے مجاہد کے صاحبزادے تھے ۲۲ جون ۱۹۱۴ء میں آپکو بھی خان صاحب کا خطاب ملا تھا۔ آپ ۱۱ مئی ۱۹۱۸ء میں فوت ہوئے۔ آپ اپنی لغات میں لکھتے ہیں کہ۔

لقمہ:۔ ہڑپ کر جانا۔ نگل جانا۔ حلق سے اُتار جانا۔ نوالہ کر جانا۔ اڑا جانا ڈکا جانا۔ کھا جانا۔ کھانے کی وہ مقدار جو ایک بار منہ میں ڈالیں۔

(فرہنگ آصفیہ صد ۱۹۴ ج ۴)

لقمہ:۔ کسی کے منہ میں نوالہ دینا۔ کھانے کی وہ مقدار جو ایک بار منہ میں ڈالیں نگل جانا۔ چٹ کر جانا۔ کھا جانا۔ (ملاحظہ ہو نور اللغات صد ۳۹۸ ج ۴)

لقمہ:۔ نوالہ۔ جمع لقم۔ جہانگیر اللغات صد ۴۴۲۔ لغات سعیدی صد ۸۶۶) نیز ملاحظہ ہو۔ امیر اللغات صد فیروز اللغات صد ۱۰۱۷۔

لقم:۔ تلقّم الشئی کسی چیز کو جلدی سے یکبار ہڑپ کر جانا۔ بلع۔ ابتلع۔ جلدی

جلدی بار بار نگلنے کو کہتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ اہل لغت تو سرسید کی تردید کر رہے ہیں۔ لیکن سرسید بڑے عجیب آدمی تھے کہ وہ انگریزوں سے بحالتِ احتفا[1] و اختضاع[2] میں ملنا سعادت سمجھتے تھے اور علمائے حق کی تحقیر کرنا قرآنی حقائق و دقائق پر رائے زنی کرنے کے لیے سینہ تان کر کھڑا ہو جانا اپنا فرض اور حق تصور کئے ہوئے تھے۔ اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ حضرت یونس علی نبیّنا و علیہ السلام ایک سبق آموز حکمت خداوندی کے تحت اعجازی طور پر ایک عرصہ مچھلی کے پیٹ میں رکھ کر پھر زندہ و سالم اس سے نکال دیئے گئے۔ ارشاد ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الانبیاء ۸۷، ۸۸)	اور مچھلی والے پیغمبر کا بھی ذکر کیجیئے جبکہ وہ خفا ہو کر چلے گئے اور یہ سمجھے کہ ہم ان پر تنگی نہ کریں گے۔ پھر انہوں نے اندھیروں میں سے پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی سب نقائص سے پاک ہے بیشک میں ہی قصوروار ہوں۔ سو ہم نے انکی (پکار) سن لی اور ہم ایمان والوں کو ایسی ہی نجات دیا کرتے ہیں۔

واقعہ یوں ہوا ہے کہ حضرت یونس کو اسیریاں (سوریہ) والوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جنکا مرکزی شہر موجودہ موصل کے قریب ہی نینوی تھا۔ آپ نے انکو

---

[1] ننگے پاؤں۔
[2] عاجزی و انکساری۔

توحید واسلام کی دعوت دی اور انہوں نے اسے قبول نہ کیا پھر وحی کے ذریعہ آپکو بتایا گیا کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آئیے گا۔ آپ اس وعدہ کے مطابق وحی کا مزید انتظار کئے بغیر شہر سے نکل گئے کہ اب یہ تباہ ہو جائیگا حالانکہ آپ پیغمبر خُدا تھے اس لیے آپکو وحی سے پہلے شہر کو نہیں چھوڑنا چاہیئے تھا جب آپ چلے گئے تو پیچھے قوم نے جب نزولِ عذاب کے آثار و قرائن دیکھے تو انہوں نے اکٹھے ہو کر خُدا کے حضور بڑے اختضاع واقلاع وندامت سے گڑگڑا کر دعا کی تو اللہ تعالےٰ پر ایمان لے آئے اور اللہ نے انکو عذاب سے بچا لیا۔ اللہ تعالےٰ نے سورہ یونس کی آیت ۹۸ میں ارشاد فرمایا ہے کہ عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں ہوتا ہے مگر یونس علیہ السلام کی قوم کو اس کے ایمان نے نفع دیا کہ جب انہوں نے عذاب کو دیکھ کر توبہ کی اور ایمان لے آئے تو ہم نے انکو عذاب سے نجات دے دی۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ	اور بلیشک یونس پیغمبروں میں تھے۔
اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ	اس وقت کا قصہ یاد کیجئے جب وہ بھاگ کر بھری کشتی کے پاس پہنچے۔
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ	پھر وہ بھی شریک قرعہ ہوئے تو وہ مجرم قرار پائے
فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ۔ فَلَوْ لَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ۔ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔	انہیں مچھلی نے نگل لیا در آنحالیکہ وہ اپنے کو ملامت کر رہے تھے سو وہ اگر تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو اسی کے پیٹ میں قیامت تک رہتے۔
فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِیْمٌ	اور پھر ہم نے انکو ایک میدان میں ڈال دیا اور وہ مضمحل تھے۔ اور ہم نے اُن پر ایک

وَاَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِيْنٍ۔ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ (الصّٰفّٰت ۱۳۹ تا ۱۴۸)	بیلدار درخت بھی اُگا دیا اور ہم نے انکو ایک لاکھ آبادی یا اس سے بھی زیادہ کی طرف پیغمبر بناکر بھیجا تھا۔ تو وہ لوگ ایمان لے آئے پھر ہم نے انکو ایک وقت تک فائدہ اٹھانے دیا۔

سر سید کا یہ تحریر کرنا کہ یونسؑ کے قصے میں اس بات پر کوئی نص صریح قرآن مجید میں نہیں ہے کہ درحقیقت مچھلی انکو نگل گئی تھی۔ کما مر۔ ملاحظہ ہو تحریر فی اصول تفسیر صـ۱۷ جا)

سید صاحب کو واللہ عالم کون سی نص صریح چاہیئے تھی۔ بحالت ایمان ہوش و حواس کی موجودگی میں جو شخص بھی یہ پڑھے گا کہ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ پھر نگل گئی اسکو مچھلی وہ اسے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے نگل جانے پر قرآن مجید کی صریح نص سمجھے گا اور چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ میں پوری امت اور صحابہ کرام۔ خود نبی علیہ السلام بھی اس آیت سے یہی سمجھ کر امت کو سمجھاتے رہے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نگل گئی تھی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے انکو اعجازی طور پر مچھلی کے پیٹ میں زندہ رکھ کر پھر مچھلی سے اگلوا دیا۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ۔ اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں خدا کی تسبیح نہ کرتا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (الانبیآء ۸۷۔)

تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو ہی (سب نقائص سے) پاک ہے بیشک میں ہی قصوروار ہوں۔ اس لیے میں معافی مانگتا ہوں۔ میرے منصب نبوت کے مناسب یہی تھا کہ میں وحی الٰہی کا انتظار کرتا۔ لیکن میں نے وحی الٰہی کا انتظار

کئے بغیر ہی قوم کو چھوڑ کر جلدی چلے آنے میں سخت غلطی کی ہے میری اس خطا (کو معاف) فرما دیجئے۔ یونس علیہ السلام نے یہ دعا مچھلی کے پیٹ میں ہی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو قبول فرما کر اس سے نجات دے دی۔ پھر آگے جو ارشاد ہے کہ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِیْمٌ۔ پھر ہم نے انکو ایک میدان میں ڈالدیا اور وہ (شکم ماہی میں قید کے اثر سے) مضمحل تھے غور فرمایئے اگر یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگلا نہ تھا تو پھر میدان میں ڈالدینے اور مضمحل ہونے سے کیا مراد ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں یونس علیہ السلام کو مچھلی کے نگل جانے پر صریح نص نہیں تو اور کیا۔ نیز لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖ الخ یعنی اگر وہ تسبیح نہ پڑھتا تو پھر قیام قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی پڑا رہتا۔ فرمانے سے کیا مراد ہے؟ یہی نا کہ سیدنا یونس علیہ السلام واقعی مچھلی کے پیٹ میں رہے ہیں۔

ایک ماہی گیر مچھلی کے پیٹ میں زندہ

۱۹۵۸ء میں سکاٹ لینڈ میں کچھ ماہی گیر سمندر سے مچھلیاں پکڑ رہے تھے کہ انکے جال میں ایک وہیل مچھلی پھنس گئی جو انکی کشتی کو کھینچتی ہوئی بھاگ رہی تھی کہ ماہی گیر مینڈ لے نے سمندر میں اتر کر اس پر دستی بم پھینکنے شروع کر دیئے آخر مچھلی کی ٹھوکر لگنے سے مینڈ لے سمندر میں گر گیا اور گرتے ہی مچھلی نے اسے نگل لیا[1]۔ اور پھر بھاگنا شروع ہو گئی ۳۶ گھنٹے کے بعد جب مچھلی نحیف و نزار ہو گئی تو ماہی گیروں نے اسے پکڑ لیا اور واپس آ کر جب اس مچھلی کو صاف

---

[1] ماہی گیر ساتھیوں نے غوطہ زنی سے تلاش تو کیا لیکن وہ نہ مل سکا تو انہوں نے یہی سمجھا کہ مسٹر مینڈ لے سمندر کی نذر ہو گیا ہے۔

کرنے لگے تو مسٹر مینڈلے مچھلی کے پیٹ سے بحالت بے ہوشی نکل آیا تو اسے فوراً ہسپتال لے گئے وہاں جاکر اسے کافی دیر کے بعد ہوش آئی تو یہ واقعہ اخبارات کے ذریعے لوگوں تک پہنچا تو کئی لوگ اسے دیکھنے کے لیے اسپتال میں آئے۔ ایک پروفیسر نے اس سے پوری سرگزشت پوچھنے کے بعد کہا کہ جس اللہ نے اتنا عرصہ مسٹر مینڈلے کو مچھلی پیٹ میں رکھ کر زندہ واپس بھیج دیا اس نے یقیناً حضرت یونسؑ سے اس سے کہیں بہتر سلوک کر کے انہیں بطن ماہی کی سہ روزہ قید میں اعجازی طور پر زندہ رکھ کر دنیا میں واپس بھیج دیا تھا۔

ارشاد خداوندی ہے کہ۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ. لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ. فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ۔

(القلم ۴۸ - تا ۵۰)

آپ اپنے پروردگار کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیئے اور مچھلی والے پیغمبر کی طرح نہ ہو جائیے جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا اس حال میں کہ وہ غم میں گھٹ رہے تھے اگر انکے پروردگار کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا تو وہ میدان میں ڈال دیئے جاتے بدحالی کے ساتھ پھر ان کے پروردگار نے انہیں (اور) برگزیدہ کر لیا اور انکو اور زیادہ صالحین میں کر دیا۔

یعنی مقام اجتبا و صالحیت پر تو یونسؑ بن متیؑ پہلے ہی فائز تھے اب ان مقامات میں اور زیادہ ترقی و ترفیع ہو گئی۔ حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یونسؑ بن متیؑ سے بہتر ہوں۔ یہاں یہ آیتیں مکرر بغور ملاحظہ فرمالیجیئے۔

یونس ۹۸۔ الانبیاء ۸۷، ۸۸۔ الصّٰفّٰت ۱۳۹ تا ۱۴۸۔ القلم ۴۸ تا ۵۰۔

عربی لغت کی جامعیت دنیا میں لاکھوں زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن دنیا کی کسی زبان میں وہ وسعت و جامعیت نہیں جو عربی زبان میں ہے بقرار زیر چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے کسی بھی زبان کا تقابل کر کے آپ خود اور خصوصاً لسانیات کے ماہرین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں میری دانست کے مطابق تمام زبانوں میں ایک کے ساتھ جب دوسرا مل جائے تو اسے جمع کہتے ہیں۔ لیکن عربی میں ایک کو واحد اور دو کو جمع نہیں کہتے بلکہ دو کو تثنیہ کہتے ہیں جب دو کے ساتھ تیسرا عدد ملے تو اسے جمع کہتے ہیں۔ عربی میں جمع کے عدد کم از کم تین ہیں پھر اور دیکھئے عورت و مرد کو تم۔ تو۔ یُو You کہتے ہیں جس میں مذکر و مؤنث کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ لیکن عربی میں مرد کے لیے اَنْتَ ہے اور عورت کے لیے اَنْتَ کی جگہ اَنْتِ ہے۔ اور ھُوَ۔ ھِیَ ہے، دو کے لیے اَنْتُمَا۔ جمع مذکر کے لیے۔ اَنْتُمْ۔ مؤنث کے لیے۔ اَنْتُنَّ۔ ھُمْ اور ھُنَّ۔ پھر نام۔ اسم کو لے لیجئے عربی میں اسم کی اٹھارہ لغات ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

لِلِاسْمِ عَشْرُ لُغَاتٍ مَعَ ثَمَانِيَةٍ۔ بِنَقْلِ جَدِّی
شَيْخُ النَّاسِ اَكْمَلِهَا سِمٌ۔ سِمَاةٌ سِمَىً وَ
اِسْمٌ وَزِدْ سِمَةٌ كذا سِمَاءٌ بِتَثْلِيثٍ لِاَوَّلِهَا

۱۔ سِمٌ | ۲۔ سَمٌ | ۳۔ سُمٌ | ۴۔ سِمًى | ۵۔ سَمًى | ۶۔ سُمًى |

۷۔ سِمَةٌ | ۸۔ سَمَةٌ | ۹۔ سُمَةٌ | ۱۰۔ سِمَاةٌ | ۱۱۔ سَمَاةٌ | ۱۲۔ سُمَاةٌ |

۱۳۔ اِسْمٌ | ۱۴۔ اَسْمٌ | ۱۵۔ اُسْمٌ | ۱۶۔ سِمَاءٌ | ۱۷۔ سَمَاءٌ | ۱۸۔ سُمَاءٌ |

تلک عشر و ثمانیۃ کاملۃ۔ روح المعانی ص ج ۱)

اب دعوت وضیافت کے نام واقسام دیکھئے

۱- ولیمہ- شادی کی دعوت-
۲- وضیمہ- کسی کے مرنے پر غمی کی دعوت-
۳- خُرس- زچگی کی دعوت
۴- اعذار- ختنہ کی دعوت
۵- وکیرہ- نئی عمارت تیار ہونے پر دعوت-
۶- نقیعۃ- مسافر کے آنے پر دعوت-
۷- عقیقۃ- بچے کا نام رکھنے پر دعوت-
۸- مادُبۃ- دوستوں کی عام دعوت-
۹- ضیافت- مہمان کے آنے پر دعوت-

کرمانی نے کہا ہے کہ ضیافت کی آٹھ اقسام ہیں-

پیدا ہونے سے لیکر موت تک انسانی زندگی کے ادوار-

۱- جنین- جب پیٹ میں ہو- جب پیدا ہو جائے- ولید-
۲- صدیغ- سات دن تک
۳- رضیع- ایام رضاعت
۴- فطیم- دودھ چھڑانے کے بعد
۵- جحوشں- جب خوراک پر الگ جائے-
۶- دارج- جب بڑھنے لگے- چلنے لگے-
۷- خماسی- ۵ بالشت کے قد میں-

۸۔ مشغور ۔ دودھ کے دانت جب گرنے لگیں

۹۔ مُثغّر ۔ جب نئے دانت نکلنے لگیں۔

۱۰۔ مترعرع ۔ دس سال اور اسکے اوپر ۔

۱۱۔ یافع ۔ حُلم کے قریب

۱۲۔ مراھق ۔ بالغ ۔ یعنی صاحب حُلم ۔

۱۳۔ حزوّر ۔ بعد از احتلام ۔ ان مجموعی حالتوں پر بھی غلام کا اطلاق ہوتا ہے

۱۴۔ غلام ۔ جب سبزہ بھیگنے لگے۔

۱۵۔ شارخ ۔ جوانی کی ابتدار

۱۶۔ الشباب ۔ بلوغت سے تیس سال تک۔

۱۷۔ فتیٰ ۔ بھرپور جوانی ۔

۱۸۔ شیب ۔ الشیبہ ۔ جب بال سفید ہونے لگیں۔

۱۹۔ کھَل ۔ کاھل ۔ کھولت ۔ ادھیڑ عمر ۔ پچاس سال کے بعد۔

۲۰۔ الشیخ ۔ بوڑھا ۔ شیخ کا اطلاق، استاد ۔ عالم ۔ سردار قوم ۔ اور ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو لوگوں کے نزدیک علم ۔ عمر ۔ فضیلت رتبہ وغیرھا میں بڑا ہو۔

۲۱۔ ارذل ۔ جب تمام قوائے انسانی سوائے سانس کے انسان کا ساتھ چھوڑ دیں ۔ ارذل اسم تفضیل ہے بمعنی گھٹیا ۔ ردی ۔ ناکارہ ۔ جمع اراذل ۔ ارذلون حقیر ۔ کھوٹا درہم ۔ ولید کو ملا کر یہ بائیس ادوار ہیں۔

ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ — اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی لوٹا

يُرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ
(النحل ۷۰ - الحج - ۵)

دیا جاتا ہے۔ ناکارہ عمر کی طرف جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باخبری کے بعد چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ بڑا علم والا بڑا قدرت والا ہے۔

ارذل۔ عمر کی وہ منزل ہے کہ جب نہ قوتِ جسمانی ہی برقرار رہے اور نہ قوتِ دماغی اور نہ ہی دوسری قویٰ۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی تغمدہ اللہ برحمتہ اس آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔ ماں کے پیٹ میں رہ کر بچہ بہت سے مدارج ومنازل طے کر کے جب پیدا ہوتا ہے تو یہاں بھی بتدریج اسے بہت سے منازل ومدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔

ایک بچپن کا زمانہ ہے جب آدمی بالکل کمزور وناتواں ہوتا ہے اور تمام قوتیں کامن چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ کامن (پوشیدہ) قوتیں ظاہر ہوتی ہیں جسمانی حیثیت سے ہر چیز کمال شباب کو پہنچ جاتی ہے پھر بعض نوجوانی ہی میں مر جاتے ہیں اور بعض اس عمر کو پہنچتے ہیں جہاں پہنچکر آدمی کے اعضاء وقوی جواب دے دیتے ہیں وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کار آمد ہونے کے بعد نکما بے کار ہو جاتا ہے یاد کی ہوئی چیزیں بھول جاتا ہے اور جانی ہوئی چیزوں کو کچھ نہیں جانتا گویا بوڑھا ہو کر پھر بچہ بن جاتا ہے۔

سر سید تاریخ وجغرافیہ کے بھی قطعی مفلس تھے

طوفان نوحؑ کا تذکرہ قرآن کریم نے اعجازی طور پر بیان کیا ہے جسکے سر سید صاف طور پر منکر ومنتقد ہیں۔ وہ یہ تاثر دیتے چلے

گئے ہیں کہ مسکن نوح میں ندیوں نالوں کی کثرت تھی اس لیے کثرت سے بارش ہونے کی وجہ سے اتفاقیہ طور پر معمولی سیلاب آگیا تھا۔ اتنا بڑا اعجازی سیلاب یوں ہی بنا دیا گیا ہے۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا الخ (ہود ۳۷) المومنون ۲۷) اور تم کشتی ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے تیار کرو۔

خان بہادر سر سید صاحب سورہ ہود کی مذکورہ آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ اس بات کے دریافت کرنے کے لیے بجز توریت اور قدیم جغرافیہ کی تحقیقات کے اور کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم یا یوں کہو کہ حضرت نوح کے اجداد اس قطع زمین میں رہتے تھے جہاں چار دریا۔ پیشون جیحون[ل] - حدقل - فرات بہتے تھے، ان دریاؤں کے ناموں اور مخرجوں پر اس مقام پر بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے صرف یہ بیان کرنا کافی ہے کہ جو ٹکڑا زمین کا بلیک سی - BLACK SEA - یعنی بحر اسود اور بحر کاسپین - (بحر خزر) CASPIAN SEA اور پرشین گلف - PERSIAN GULF (خلیج فارس) اور میڈی ٹرینین سی (MEDITERRANEAN SEA) یعنی بحر روم میں واقع ہے اور آرمینیا کہلاتا ہے وہی قطعہ زمین کا حضرت نوح کے اجداد کا مسکن تھا۔ کوئی ثبوت اس بات کا نہیں ہے کہ نوح نے یا اجداد نوح نے اس ملک کو چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار

ل جیحون دریا۔ کاشغر کے مغربی پہاڑوں اور تاجکستان کے پہاڑوں سے نکل کر ترمذ، بخارا کے قریب سے بہتا ہوا آرال جھیل میں جا گرتا ہے یہ آرمینیہ سے ہزار میل سے بھی زیادہ فاصلہ پر شمال مشرق میں ہے سر سید کو اسکا محل وقوع سمجھنے میں بڑا ذہول ہوا ہے۔ یہی آمو دریا (AMUDARYA) ہے۔

کی ہو۔ اور اس لیے اس بات کے باور کرنے کو کوئی امر مانع نہیں ہے کہ حضرت نوحؑ کا بھی یہ مسکن نہیں تھا اس قطع میں وہ ملک بھی واقع ہے جو ارارات کے نام سے مشہور تھا اور اسی ملک کے پہاڑ۔ ارارت کے پہاڑ مشہور ہیں جنکو کالڈی زبان میں فرود اور عربی میں جودی کہتے ہیں۔ یہ ملک دریاؤں سے اور دریاؤں کی بہت سی شاخوں سے اور چھوٹی ندیوں سے ایسا پُر تھا کہ انسان کو اس بات کا خیال آنا قرین قیاس ہے کہ ان کے عبور کرنے اور ان کی طغیانی کی حالت میں بچاؤ کی کوئی تدبیر ہونی چاہیئے۔ الخ۔ تفسیر القرآن صہ ۵، ۶ ج ۵)

غور فرمایئے اور سرسید کے علم کی داد دیجئے جو ارارت کے ایک چھوٹے سے پہاڑ کو ایک ملک بتا رہے ہیں اور ملک آرمینیہ کو مڈی ٹرینیں سی۔ جو افریقہ اور یورپ کے مابین حائل ہے جو دونوں براعظموں کی حد فاصل کا تعین کرتا ہے اسکے اور بحر اسود کے درمیانی قطعہ میں ارارت کا ملک بتا رہے ہیں کوئی بھی سکول اٹلس یا گریٹ ورلڈ اٹلس یا دنیا کا کوئی بھی نقشہ اٹھا کر دیکھئے تو اس میں آپکو صاف نظر آئیگا کہ ارارت کا ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ جو ایرانی سرحد کے قریب ترکی میں ہے۔ دسویں کا طالب علم بھی اسکا محل وقوع صحیح بتا دیگا لیکن سرسید بیچارے جو کوہ ارارت کو ایک ملک بتا رہے ہیں اور اسکا محل وقوع ہی نہیں جان سکے۔ وہ بھلا قرآن حکیم کے عمیق حقائق و دقائق کیسے سمجھ سکتے تھے۔ مقام غور ہے کہ وہ ارارت کے محل وقوع کو سمجھنے میں کتنے بڑے ذہول کا ارتکاب کر گئے ہیں۔ پھر اس سے بخوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جس طرح سرسید کو یہاں فاش غلطی لگی ہے اس سے کہیں بڑھ کر وہ قرآن فہمی اور قرآنی حقائق و دقائق کو سمجھنے میں مہلک غلطیوں کا لقمہ بن گئے۔

سرسید کا یہ کہنا بھی سرے سے غلط ہے کہ۔ ارارت اور مسکن نوحؑ کو دریافت کرنے کے لیے بجز توریت اور قدیم (یونانی) جغرافیہ کی تحقیقات کے اور کوئی ذریعہ

ہمارے پاس نہیں ہے۔ سید کو یہ ڈھول اس لیے ہوا کہ وہ اسلامی کتب کے بجائے غیر اسلامی کتب ہی کا مطالعہ کرتے رہے۔ تو ان کو اسلامی کتب کا تناد ہ لے ڈوبا۔ تناوہ مطالعہ کی ضد ہے۔ سید صاحب سے برسوں پہلے تاریخ وجغرافیہ پر مسلمان اہل علم کی لکھی ہوئی کتابیں مغل کتب خانوں میں موجود تھیں بعد میں جو بلاد البیضان والے یہاں سے لے گئے تھے ان تک بھی سید کی رسائی تھی لیکن علمی قلت کی وجہ سے وہ اُن تک نہ پہنچ سکے۔ سیکڑوں میں سے چند ایک کا تعارف کرادوں تو مضائقہ نہ ہوگا۔

۱۔ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ الرومی الحموی البغدادیؒ ولد ۵۷۵ھ موافق ۱۱۷۹ء توفی ۲۰ رمضان سنہ ۶۲۶ھ مطابق سنہ ۱۲۲۹ء کی معجم البلدان تین ہزار پانچ صد بارہ صفحات پر مشتمل آٹھ جلدوں کا جغرافیائی لغات ہے جس میں (۱۲۶۷۰) بارہ ہزار چھ سو ستر مقامات۔ شہروں، بستیوں، پہاڑوں، دریاؤں، وادیوں، میدانوں اور اشخاص کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے یہ اس وقت ہندوستان میں دستیاب تھی جسے علمی تفقد کی وجہ سے سرسیدؒ نہیں دیکھ سکے۔

۲۔ ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ دفی ۲۵۰ھ کی کتاب المسالک والممالک۔

۳۔ احمد بن ابی یعقوب توفی ۲۵۸ھ یا ۲۵۹ھ کی تاریخ یعقوبی۔ سہ ماہی فکر و نظر اسلام آباد جولائی ستمبر ۱۹۹۴ء میں ۲۸۴ھ مرقوم یعقوبی کی تاریخ وفات غلط ہے۔

۴۔ سعدان بن مبارک توفی ۳۰۰ھ کی۔ کتاب الارضین والمیاہ والجبال۔ جیسی کئی کتابیں عالمگیر رحمہ اللہ جیسے علم دوست امراء نے ہندوستان میں مہیا کر رکھی تھیں جنہیں بعد میں لندن وغیرہ میں پہنچا دیا گیا اور کچھ عرصہ اہل علم کی نظروں کے سامنے نہ آسکیں۔

جس ارارت کی چوٹی کو سرسید نے ملک ارارات سمجھ رکھا تھا۔ اسکا محل وقوع بھی ملاحظہ کرتے چلیے۔

کوہ ارارات، ہی کو قرآن کریم نے جودی کہا ہے وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ

..... الخ - ہود ۴۴، اور کشتی آٹھہری جودی (پہاڑ) پر

جودی ہی کو توریت میں ارارات کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور ایرانی شہر تبریز سے کوہ جودی کی طرف جاتے ہوئے ایران و ترکی کی سرحدی چوکی بازرگان ہے اور بازرگان سے دوغویازت ترکی کا ایک گاؤں دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور یہ دوغوزیات[1] کوہِ ارارات کے بالکل دامن میں ہے اور اسی ارارات کے اوپر ایک میدان ہے جس میں ایک جھیل ہے اور کشتی نوحؑ اسی جھیل میں پڑی ہوئی ہے ہے۔ سطح سمندر سے ارارات کی بلندی (۱۶۹۴۵) سولہ ہزار نوسو پنتالیس فیٹ ہے۔ (ARARAT) ارارات کے شمال میں آرمینیہ کا شہر ریوان[2] (YEREVAN) ہے اور ریوان کے شمال میں سیوان (SEVAN) جھیل ہے اور ریوان کے شمال میں تبلسی (TBILISI) تفلسی[3] شہر ہے ان دونوں شہروں کا درمیان والا علاقہ آرمینیہ کہلاتا ہے اور دریائے فرات (EUPHRATES) کا یہی منبع ہے۔ جبلِ ارارات (جودی) کے جنوب میں جھیل وان[4] اور دیار باکر کا شہر ہے ترکی کی چھاؤنی اجری، بھی اسکے جنوب میں ہے۔ تبریز سے اجری ۴۱۲ - چار سو بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ کشتی نوح کوہ جودی پر جا ٹھہری تھی اور قدیم و جدید جغرافیہ دان اس پر متفق ہیں کہ جس پہاڑ کو توریت نے ارارات کہا ہے اسی کو قرآن عزیز نے جودی کہا ہے اب رہا یہ کہ کوئی کہتا ہے کہ سیلاب

---

[1] ۱۹۸۲ء میں راقم آثم اس گاؤں میں چند گھنٹے ستانے کے لیے ٹھہرا تھا تبریز سے چلو تو بازرگان تک برف پوش جبل جودی سامنے نظر آتا رہتا ہے۔ [2] اس کا تلفظ ایریوان بھی ہے [3] آرمینیہ یعنی پشمینہ کا ملک [4] وان قصبہ ہے جھیل اسی سے منسوب ہے اسمیں بھی جہاز چلتے ہیں جھیل وان۔ وان شہر سے تاتوان تک ۱۲۰ - امیال لمبی ہے۔

یعنی طوفانِ نوحؑ نے ساری دنیا کو اپنی زد میں لے لیا تھا اور کوئی اسکے خلاف رائے دیتا ہے در حقیقت بات یہ ہے کہ یہ گمان لوگوں میں طوفان کی گہرائی سے پیدا ہوا ہے طوفانِ نوحؑ کا دائرہ بھی وہاں تک تھا جہاں تک آپکی دعوت توحید کا دائرہ وسیع تھا اور وہی لوگ غرق ہوئے تھے جنہوں نے آپ کی دعوت سے بغاوت کی تھی۔ اس وقت کی دنیا کو آج کی دنیا پر قیاس نہ کیا جائے۔ ہوسکتا ہے اس وقت کی آبادی موجودہ عراق اور آرمینیہ تک ہی محدود[1] ہو۔ رہا یہ کہ طوفان نوحؑ اگر موجودہ ساری دنیا پر نہیں آیا تو پھر کوہِ جودی جیسے بلند پہاڑ پر اتنا گہرا پانی کیسے جمع ہوگیا؟ دنیا میں ایسے مشاہدات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرا وجدان یہ کہتا ہے کہ جب اللہ کے حکم سے عذاب کے طور پر زمین کی سوتوں کے منہ اور آسمان کے دھانے کھول دیئے گئے تو پہاڑ اور ٹیلے پھسل پھسل کر دروں میں جمع ہو ہو کر ایک عظیم بند[2] بناتے گئے اور پانی سترہ ہزار فیٹ سے بھی زیادہ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنی گہرائی لئے ہوئے بلند ہوگیا تو مجرموں نافرمانوں کی غرقابی کے بعد قدرتی بند آہستہ آہستہ ٹوٹتے گئے اور پانی سمندر میں بہتا گیا اور جب زمین خشک ہوگئی تو کشتی نوحؑ کوہِ جودی (ارارات) پر ٹھہرا دی گئی اور قرآن کی نشاندہی کے مطابق کشتی نوحؑ کا کوہِ جودی پر ہونا یقینی

---

[1] قومِ نوحؑ کا مسکن و علاقہ دریائے فرات و دجلہ کا دوآبہ ہی تھا جو ارارات، آرمینیہ اور عراق پر محیط ہے۔

[2]۔ پھر اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ ہواؤں کے طوفانی جھکڑ سے بحر عرب کا سارا پانی خلیج فارس کے راستے پہاڑوں پر لے جاکر کھڑا کر دے۔ جیسا کہ ۱۹۵۶ء میں خلیج بنگال سے ایک جہاز طوفان نے گھیر کر چاٹگام کے قریب سمندر سے باہر چھ میل کے فاصلہ پر خشکی پر چڑھا دیا تھا جسے واپس سمندر میں نہ لایا جاسکا تو اسکا لوہا سوداگروں کو نیلام کر دیا گیا۔

ہے کیونکہ اللہ نے اسے نشان عبرت سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ (نوح - ۲۶)

نوحؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے ایک باشندہ بھی (زندہ) مت چھوڑ۔

نوح علیہ السلام کی اس بد دعا کی قبولیت اور کافروں کی غرقابی کی بابت ارشاد ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔ (نوح-۲۵)

اپنے انہی گناہوں کے باعث وہ غرق کئے گئے تو وہ دوزخ کی آگ میں پہنچ گئے تو اللہ کے مقابلہ میں انہیں کچھ بھی حمایتی میسّر نہ ہوئے۔

یہ غرق ہوتے ہی دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے گئے۔ اس آیت نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ عذاب قبر اور عالم برزخ کا وجود یقینی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کئی صدیوں تک قوم کو دعوت دیتے رہے اور قوم قدم قدم پر آپکی شدید مخالفت کرتی رہی تو آخر عالم ایاس میں مذکورہ دعائے مہلک فرمائی۔ ارشاد ہے۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ۔ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ

پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر پس ہم نے آسمان کے دروازوں کو زور کے مینہ سے کھول دیا اور زمین کے چشموں کو جاری کردیا پس اس کام پر جو مقدر کیا گیا تھا پانی خوب جمع ہوگیا اور ہم نے اسے تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کر لیا۔ نافرمانوں

الواح و دُسُر۔ (القمر ۱۰ تا ۱۳)

باغیوں کی ہلاکت و غرقابی کی بد دعا ان کی دھمکیاں سننے کے بعد مایوس ہو کر مانگی۔

القمر کی آیت چودہ بھی ساتھ ملا کر پڑھئے۔ ارشاد ہے

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ۔ (الشعراء ۔ ۱۱۶)

باغی بولے کہ اگر اے نوح تم باز نہ آئے تو ضرور ہی سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

نیز یہ آیتیں بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ الشعراء ۔ ۱۰۵ تا ۱۲۲ ۔ ہود ۲۵ تا ۴۹ یونس ۷۱ ۔ ۷۳ ۔ ۹۸ ۔ آل عمران ۳۳ ، الاعراف ۵۹ تا ۶۴ ۔ ابراہیم ۹ تا ۱۷۔ اسراء ۔ ۳ ، الانبیاء ۷۶ ، ۷۷ ۔ المؤمنون ۲۳ تا ۲۹ ۔ الفرقان ۳۷ ، العنکبوت ۱۴، ۱۵ ۔ الصّٰفّٰت ۷۵ تا ۸۳ ۔ الذاریات ۴۶ ۔ النجم ۵۲ ۔ القمر ۹ تا ۱۵ ۔ الحدید ۲۶ التحریم ۱۰ ، الحاقۃ ۱۱ ۔ نوح ۱ تا ۲۸ ۔

یہاں یہ بات ذہن نشین کر نے چلئے کہ کشتی نوحؑ کو اللہ تعالےٰ نے آیہ عبرتناک نشانی فرمایا ہے لہٰذا دنیا میں اسکا وجود و موجود ہونا یقینی تصور کیا جاتا ہے بصورت دیگر موجودہ کشتیاں و جہاز اسی کا نمونہ اور اس کی یاد دلاتیں ہیں۔ ارشاد ہے کہ کشتی نوح کو بطور عبرت کے باقی رکھا۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان قوم کی غرقابی کے واقعہ کو عبرت بنایا۔

۱۔ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔ الفرقان ۔ ۳۷)

اور ہم نے قوم نوح کو بھی (ہلاک کیا) جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ہم نے انہیں ایک نشان عبرت بنا دیا۔ اور ہم نے ظالموں کیلیے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت نے یہ بات صاف کر دی کہ ایک پیغمبر کا انکار کرنا تمام پیغمبروں کا انکار کرنا ہے اسی طرح دین اسلام کے ایک بنیادی مسئلے کا انکار کرنا یا قرآن کریم کی کسی ایک آیت کا انکار کرنا پورے دین اسلام اور قرآن حکیم کا انکار کرنا ہے۔ فافهموا وتدبروا وتفكروا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ حضرت نوحؑ کی دعائے انتقام کے بعد انکے سب نافرمانوں کو غرق کر دیا گیا۔

۲۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ (الشعراء ۱۲۰ - ۱۲۱)

پھر ہم نے انہیں اور جو انکے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں تھے (سب) کو نجات دی۔ پھر اسکے بعد باقی (نافرمان) لوگوں کو غرق کر دیا۔ اس (غرقابی کے) ماجرے میں (بھی بڑا) نشان عبرت ہے۔

۳۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

(العنکبوت ۱۴، ۱۵)

اور بالیقین ہم نے نوح کو انکی قوم کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا تو وہ انکے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے پھر انکو طوفان نے آدبایا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے پھر ہم نے انکو اور کشتی والوں کو بچا لیا اور ہم نے اس (واقعہ) کو دنیا جہان والوں کے لیے ایک (آیہ) نشان عبرت بنا دیا۔

۴۔ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے اس (واقعۂ غرقابی اور کشتی) کو نشانِ عبرت کے طور پر رہنے دیا اور ہے

(القمر — ۱۵) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

مقام غور ہے کہ ان چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو آیۃ یعنی نشانِ عبرت فرمایا ہے ایک جگہ دنیا جہان والوں کے لیے نشانی فرمایا ہے اور دوسری جگہ آیت للنّاس فرمایا ہے۔ تیسری جگہ چھوڑ دیا۔ رہنے دیا ہم نے اسکو نشانِ عبرت فرمایا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہے کہ کشتی نوح اب تک موجود ہے اور آئندہ بھی موجود رہے گی اور اگر موسمی اثرات سے سالم نہ بھی رہی ہو تو اسکا ڈھانچہ بطور نشانی کے قیامت تک محفوظ رہے گا۔ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً میں ھا کا اشارہ غرقابی قوم نوح اور سفینہ نوح کی طرف ہے اور اسکو نشانِ عبرت کہنے سے مراد قوم نوحؑ کی غرقابی کے واقعہ کو لوگوں کے حافظہ میں قرآن حکیم میں اور تاریخی اوراق میں اور سفینۂ نوح کو جبل جودی پر اصحابِ کہف یعنی غار والوں کی طرح محفوظ کر دینے کی طرف ہے اس آیت اور اس جیسی قرآن کی اگلی آیت کے تحت علامہ دریا بادی رحمہ اللہ منشأ قرآن اور روحِ قرآن کے مطابق ایک بڑا دقیق و عمیق نکتہ سپردِ قلم کر گئے ہیں جو کہ دل کی لوح پر کندہ کر لینے کے قابل ہے وہ یہ کہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ۔ میں لفظ يَسَّرْنَا سے اشارہ اس حقیقت کی جانب ہو گیا ہے کہ یہ محض توفیق و احسان الٰہی ہے جس نے قرآن کریم کو آسان کر دیا ہے۔ ورنہ یہ چیز انسانی فہم و ادراک اور دماغ کے بس کی نہ تھی۔ پھر اس آیت میں لِلذِّكْرِ۔ کی قید نے اسے اور بھی صاف اجلیٰ واضح کر دیا ہے کہ قرآن مجید آسان تو بیشک ہے لیکن ذکر کے لیے یعنی صرف عبرت و نصیحت، تذکیر و ترغیب اور ترہیب کے اعتبار سے۔ رہا استنباط مسائل تو وہ بجائے خود ایک مستقل دقیق و عمیق فن ہے جو ملکۂ خصوصی و مہارت تحقیقی کا محتاج ہے اور یہ حقیقی مہارتِ تحقیقی کا ملکہ بلا علم و عرفان اور اتباع حدیث کے کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ اسکے بغیر سرسید کی طرح قرآنِ عزیز

کی تفسیر لکھنے بیٹھ جانا یا قرآن دانی و قرآن فہمی کا دعویٰ کرنا اپنے آپکو ورطۂ ضلالت میں گرا دینے کے مترادف ہے۔

ماجدی بتغییر یسیر۔

کتنی ہی بار اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ قصص قرآن کا فہم و ادراک نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے آسان کر دیا ہے پھر بڑا ہی بدنصیب ہے وہ جو قرآن مجید کے پر عبرت و سبق آموز قصّوں سے گزرے اور محض گزرتا ہی چلا جائے لیکن انکی انجام دہی اور مآل کار کے نتائج سے سبق حاصل نہ کرے۔

کشتی نوحؑ جبل جودی پر موجود ہے

یعقوبی لکھتا ہے کہ اللہ نے حکم دیا کہ تین منزلہ سفینہ تیار کرو۔

وامره ان يجعل طولها ثلاثمائة ذراع بذراع نوح، وعرضها خمسين ذراعًا وسمكها ثلاثين ذراعًا۔ (یعقوبی ص۱۴-۱۵ ج۱)

اور حکم ہوا انکو کہ نوح کے ہاتھ کے ساتھ تین سو ہاتھ لمبی کشتی بناؤ جو کہ پچاس ہاتھ چوڑی اور تیس ہاتھ اونچی ہو۔

اس کی پہلی منزل میں پالتوں جانور۔ وحشی جانور اور درندوں کو رکھو۔ اور دوسری میں پرندوں کو اور تیسری میں نوحؑ اور اسکی اہل بیت اور دوسرا اہل ایمان۔ اور پانی کے حوض اور خورد و نوش کی اشیاء کی جگہ بنائی جائے۔

کشتی نوحؑ کا سیاح زائر

سکنڈی نیویا کے ملک ناروے کا سیّاح (EXPLORER) ڈاکٹر تان مین اپنی کتاب ارمینیہ اور مشرق قریب میں کشتی نوح کی پیمائش یہ لکھتا ہے: کشتی کی لمبائی ۲۵ فٹ چوڑائی ۸۷ فٹ۔ اونچائی ۵۲ ½ فٹ اور یہ کشتی نوح ارارات¹ پر موجود ہے۔

¹ تبریز سے بازرگان تک جاتے ہوئے یہ برف پوش پہاڑ سامنے آتا رہتا ہے اس پر بارہ مہینے برف جمی رہتی ہے

اور گزشتہ چند برسوں میں اسے بار ہا دیکھا گیا ہے۔ ایک روسی ہوا باز نے کہا جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو وہ ایک چھوٹا سا قصبہ معلوم ہو رہی تھی۔

کشتی نوح کا زائر پادری نوری انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں ملیبار۔ بھارت کے پادری نوری نامی جوان دنوں ایران و کردستان کی سیاحت کر رہا تھا تو اس نے کشتی نوح کا کھوج لگانے کا ارادہ کیا۔ پرانی کتب میں اس کشتی کے متعلق جو تذکرہ تھا اسکے مطابق وہ جگہ بابل شہر کے دیارِ اطلال سے پانچ سو میل کے فاصلے پر کوہ ارارات پر تھی۔ پادری نوری کشتی نوح کا کھوج لگانے میں تین بار ناکام رہا لیکن چوتھی بار کامیاب ہونے پر وہ لکھتا ہے۔ پانچ ہزار سال پرانی کشتی میری نظروں کے سامنے تھی۔ اسکا نصف حصہ جھیل میں تھا اور بقیہ نصف حصہ برف سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں نے پیمائش کی تو وہ توریت میں دی گئی لمبائی چوڑائی اور اونچائی کے عین مطابق تھی۔ پادری نوری ایک قابل اعتبار شخصیت کا مالک تھا۔ پادری فریڈرک جس نے آرمینیہ اور آذربائیجان میں تین ماہ تک نوری کی میزبانی کی تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ نوری بارہ[1] زبانوں پر مکمل عبور رکھتا تھا۔ اس نے چین۔ برما۔ افریقہ۔ آسٹریلیا اور یورپ کی سیاحت کی اور وہاں کے سرداروں اور بادشاہوں سے ملاقاتیں بھی کیں۔ وہ ایک مشہور خاندان سے تعلق رکھتا تھا جہاں کہیں بھی وہ جاتا تھا کشتی نوح کا تذکرہ ضرور کرتا تھا۔

کشتی نوحؑ کی نمائش کا منصوبہ بلجیم کے کچھ سرمایہ داروں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ کشتی

---

[1] آج کل پولینڈ کا باشندہ پوپ پال جو ویٹیکن کا حاکم اعلیٰ ہے گیارہ زبانوں کا ماہر ہے ۱۱ فروری ۱۹۳۵ء میں یہاں پوپ کی حکومت قائم ہوئی۔ ویٹی کن اٹلی کے دارالحکومت روم کے قریب اٹلی ہی میں ہے۔

نوح کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں کاٹ کر شگاگو میں پہنچا دیا جائے اور وہاں اسے دوبارہ جوڑ کر نمائش کے لیے رکھ دیا جائے تو دنیا اسے دیکھنے کے لیے کھینچی چلی آئے گی۔ جس سے بڑی آمدن ہو گی۔ لیکن سیاسی و قانونی اور باربرداری کی مشکلات و عوائق نے یہ منصوبہ مکمل نہ ہونے دیا۔

نوری امریکی پاگل خانہ میں

جب شگاگو میں مذاہب عالم کی ایک عالمی کانفرنس ہوئی تو نوری نے بھی اس میں شرکت کی اور اس کانفرنس کے خاتمہ پر پادری نوری کے لیے فورنیا کے دورہ پر چلا گیا تو وہاں بھی اس نے کشتی نوحؑ کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا تو کچھ لوگوں نے اس پر اعتبار نہ کیا اور انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پانچ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی کشتی نوح موجود ہو۔ پھر انہوں نے دو ڈاکٹروں کی مدد سے نوری کو پاگل خانہ میں پہنچا دیا۔ لیکن پادری نوری کی خوش قسمتی سے وہاں اسکے مداحوں میں ایک بااثر خاتون تھی جس نے اپنے اثر و رسوخ سے نوری کو بیت المجنون سے رہائی دلائی۔

ترکوں کی تحقیقاتی جماعت کوہ ارارات پر کشتی نوح میں

۱۸۸۳ء میں ایک ایسا طوفان آیا جس نے کوہ جودی کے اردگرد بیسیوں گاؤں تباہ و برباد کر دیئے۔ ترک حکومت نے ایک جماعت کو اس کی تحقیق اور اسباب معلوم کرنے کیلئے کوہِ جودی پر بھیجا کہ وہ یہ معلوم کر کے رپورٹ پیش کریں کہ یہ طوفان آنے کے اسباب کیا ہیں۔ دوران تحقیق اس جماعت نے کوہِ جودی کی انتہائی بلندی پر ایک میدان میں ایک جھیل کے کنارے برف میں دبا ہوا کشتی کا ایک سرا دیکھا تو وہ اسے دیکھنے کے لیے کافی دور تک اس کے اندر چلی گئی۔ پھر واپس آکر اس نے کشتی کی پوری کیفیت بتائی۔

مورخ یوسف کی کشتی نوحؑ کے بارے میں روایت

آج سے تقریباً اٹھارہ سو سال پہلے مورخ یوسف نے تاریخ یوسفی میں کشتی نوح کی موجودگی کا تذکرہ کیا تھا کہ کشتی نوح اب بھی صحیح سالم موجود ہے۔

ایک اور شخص کلاڈیس جیمز جو ۱۸۰۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا بغداد میں نمائندہ تھا وہ اپنی کتاب کردستان میں قیام۔ کی جلد دوم ص ۲۱۳ پر لکھتا ہے کہ آغا حسین ترک نے اسے بتایا کہ اس نے یعنی آغا حسین نے کشتی نوح کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آغا حسین نے کہا کہ میں کوہ جودی (ارارات) کے عیسائیوں کے ایک گاؤں میں گیا جہاں سے وہ ایک تنگ راستے (گھاٹی) سے گزر کر گھنٹہ بھر میں کشتی نوح کے پاس جا پہنچا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کشتی کیا بلکہ بہت بڑا لکڑی کا جہاز تھا جو بعض جگہوں سے شکستہ نظر آرہا تھا۔ اس میں تقریباً ایک ایک فٹ لمبے کیل لگے ہوئے تھے۔ آغا حسین نے یہ نہیں بتایا کہ وہاں برف تھی یا نہیں، حالانکہ ارارات پر بارہ ماہ برف جمی رہتی ہے۔

روسی ہوا باز نے کشتی نوحؑ کو کیسے دیکھا

دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں امریکہ کے اخبار گنگرہیرالڈ۔ میں کشتی نوح کے متعلق خبر چھپی تھی جس کا راوی ایک روسی ہوا باز اوسکو وتسکی تھا۔ انقلاب روس سے کچھ عرصہ پہلے روسی ہوابازوں کا ایک دستہ کوہِ ارارات (جودی) سے ۲۵ میل کے فاصلے پر ایک عارضی ہوائی اڈہ پر زیر تربیت تھا۔ اگست کے مہینہ میں ایک دن گروپ کپتان نے اوسکو وتسکی، کو حکم دیا کہ ایک تربیتی پرواز کے لیے تیار ہو جاؤ یہ حکم ملتے ہی اسکے ہمراہ ایک تربیتی ہوا باز بھی سوار ہوگیا۔ وہ دونوں کافی دیر تک فضا میں چکر لگاتے رہے حتیٰ کہ وہ چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر جب پہنچ گئے تو انہوں نے جہاز

بنائے گئے تھے۔ دوسری سطح شاید پرندوں وغیرہ کے لیے بنائی گئی تھی جس میں جال
کے بجائے سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ کشتی نوح اعلیٰ درجے کی کاریگری اور نفاست کا مظہر
تھی۔ یہ رپورٹ زارِ روس کو بھیج دی گئی تھی لیکن انہی دنوں میں روس کے اندر بالشویکوں
(انتہا پسند انقلابی) نے انقلاب[1] برپا کر دیا اور یہ رپورٹ بالشویکی انقلاب نے
زار روس کے کھنڈرات میں دفن کر دی۔

سفید فام روسی ہوا باز اوسکووتسکی روس سے بھاگ کر امریکہ چلا گیا وہاں پہنچ کر
اس نے اپنے چشم دید واقعات امریکیوں کو سنائے تو کشتی نوح کی یہ عبرت آموز داستان
وہاں کے بلشمار اخبار ور سائل نے شائع کر دیئے۔ پھر ۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء میں آسٹریلیا
کے ریڈیو اسٹیشن نے دوبارہ نشر کر دیئے۔ اس سے پہلے ۶ دسمبر ۱۹۴۲ء میں کشتی نوح
کی روداد آسٹریلوی ریڈیو سے نشر ہو چکی تھی۔ دورانِ جنگ عظیم ۳۹ تا ۱۹۴۵ء کے دوران
آسٹریلیا کے دو ہوا بازوں نے انگلستان کے ایک ریستوران میں بیٹھے ہوئے کشتی نوح کی چند
تصاویر پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو دکھائیں۔ آسٹریلیا کے ریڈیو نے مزید بتایا کہ دوران
جنگ عظیم دوم ساؤتھ ویلز کے مقام بودرال کی ایک خاتون نے کہا ہے کہ وہ شاہی
فضائیہ کے ایک ایسے نوجوان ہوا باز کو جانتی ہے کہ جس نے کوہ ارارات پر پرواز کی
اور کشتی نوح کو قریب سے اس نے دیکھا لیکن نیرنگی زمانہ سے وہ جلد ہی ایک حادثہ
کا شکار ہو گیا اور مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

بشکریہ۔ ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست ۱۹۶۱ء راولپنڈی بحوالہ ہفت روزہ ایشیا
لاہور ۱۹۶۱ء جون۔ بلفظ تصرف یسیر۔ مرور ایام کی نسبت آج کل کوہ جودی کی چوٹی پر چلے جانا
بہت ہی آسان ہے لیکن موسم گرما کے شباب میں۔

---

[1] ، نومبر ۱۹۱۷ء میں زار روس کی جگہ بالشویک آ گئے۔

کا رخ ارارات کی طرف کر دیا۔ وہ پہاڑ کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہے تھے کہ انکی نظریں نیلے رنگ کی ایک جھیل پر جا پڑی جو خوب چمک رہی تھی۔ اور ماہ اگست میں اسکے اکناف و اطراف میں برف جمی ہوئی تھی۔ جب انکا جہاز اس جھیل کے اوپر سے گذرا تو وہ جھیل میں ایک جہاز نما کشتی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے اپنے جہاز کو جھیل کے اور قریب تر کر کے دیکھا تو کشتی نوح کے مستول (جہاز کے ستون) مغرورانہ انداز میں سر اٹھائے ہوئے تھے۔ عرشے پر تقریباً پانچ فٹ چوڑا ایک پل بنا ہوا تھا۔ پھر اور نزدیک ہو کر پرواز کی تو انہیں معلوم ہوا کہ کشتی کا چوتھا حصہ پانی میں ہے ان ہوا بازوں نے واپسی پر اپنے کمانڈر سے اسکا تذکرہ کیا تو وہ خود جہاز میں سوار ہو کر جھیل کے قریب جا پہنچا تو کشتی کا منظر دیکھ کر جب واپس آیا تو اس نے اس کی اطلاع زار روس تک پہنچا دی اور زار روس نے اسے پڑھ کر حکم دیا کہ ایک جماعت کشتی کی تحقیقات کے لیے ارارات پر بھیجی جائے۔

زار روس کی طلب کردہ کشتی کی رپورٹ ۱۹۱۷ء کے بالشویکی انقلاب کی نذر ہو گئی!

زار روس نکولس دوم ۱۸۹۴ء، ۱۹۱۷ء (میں بالشویکیوں نے قتل کر دیا) کے حکم سے بھیجی گئی جماعت نے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ کشتی نوح کے قریب قیام کیا۔ جماعت نے اسکے فوٹو لیے۔ پیمائش کی اور اچھی طرح اسکا جائزہ لیا تو انہیں معلوم ہوا کہ کشتی ایک ایسی لکڑی سے بنائی گئی ہے جو صرف قبرص کے جنگلوں میں ہی ملتی ہے۔ اس پر چکناہٹ آمیز روغن کیا ہوا تھا۔ جو ہزاروں برس گزر جانے کے باوجود بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ نچلی سطح کے کمرے بڑے بڑے تھے اور ان میں دو دو فٹ موٹے تختے لگے ہوئے تھے جو شاید ہاتھیوں وغیرہ جیسے عظیم الجثہ جانوروں کے لیے

نوح علیہ السلام کا شجرۂ نسب اور کشتی

نوح بن لمک عمر ۷۷۷ سال ۔ بن متوشلخ ۹۶۰، اخنوخ وہو ادریس[ا] ۳۰۰ ۔ بن یرد ۹۶۲ ۔ بن مہلائیل ۸۹۵ ۔ بن قینان ۹۲۰ ۔ سال ۔ بن انوش ۹۶۵ ۔ شیث ۹۱۲ بن آدم علیہ السلام عمر[۲] ۹۱۲ سال

عمر نوح

شیعہ مؤرخ علامہ یعقوبی رقمطراز ہیں کہ

وکانت حیاته تسعمائة سنة وخمسین کما حکی الله تعالیٰ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ۔ (یعقوبی ص ۱۶ ۔ ج ۱)

آپکی عمر نوسو پچاس برس تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نوح پچاس برس کم ایک ہزار سال زندہ رہا ۔

یاد رہے کہ یہاں یعقوبی اور دوسرے بہت سے مؤرخین کو سورۃ العنکبوت کی آیت ۱۴ ۔ کے معنی سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ اللہ نے یہاں نوح علیہ السلام کی عمر نہیں بتائی بلکہ قوم میں رہنے کی مدت ۹۵۰ سال بتائی ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ۔

پھر رہا ان میں (یعنی اپنی قوم میں) پچاس برس کم ایک ہزار سال ۔

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ الخ العنکبوت ۱۴ ۔ پھر انکو (قوم نوح کو) طوفان نے آلیا ۔

[ا] تین سو سال کے سن میں آپکو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا ۔ ثم رفعه الله بعد له ثلاثمائة سنه ۔ یعقوبی ص ۱۱ ج ۱ ۔

[۲] وکانت حیاته تسعمائة سنة وثلاثین سنة اتفاقًا ۔ یعقوبی ص ۷ ج ۱)
آدم علیہ السلام کی عمر نوسو تیس سال تھی ۔

اور یہ بات مسلّم ہے کہ طوفان کے بعد بھی حضرت نوح علیہ السلام عرصہ تک زندہ رہے ہیں چنانچہ علامہ یعقوبی خود ارقام فرما گئے ہیں کہ ۔

وعاش نوح۔ بعد خروجہ من السّفینۃ، ثلاثمائۃ وستین سنۃ ۔ یعقوبی صـ۱۶ ج ۱)

اور نوح علیہ السلام طوفان کے بعد تین سو ساٹھ سال تک زندہ رہے ۔

اس حساب سے نوح علیہ السلام کی کل عمر (۱۳۱۰) ایک ہزار تین سو دس سال بنتی ہے چالیس سال کی عمر میں آپنے تبلیغ شروع کی اور نو سو دس سال آپ نے اپنی قوم کو تبلیغ کی ۔ تو کل اسی ۸۰ آدمی ایمان لائے اور پھر قوم کے نافرمان لوگ طوفان میں ہلاک ہو گئے اور آپ نے اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد تین سو ساٹھ سال نافرمان قوم میں نہیں بلکہ اہل ایمان میں گزارے یعقوبی مزید لکھتے ہیں ۔

لا ینکح النساء خمس مائۃ عام ثم اوحی اللّٰہ الیہ ان ینکح ھیکل بنت ناموسا بن اخنوخ وھو ادریس النبی ۔

(یعقوبی ص ۱۳ ج ۱)

حضرت نوح علیہ السلام نے پانچ سو سال کسی عورت سے نکاح نہیں کیا پھر اللہ تعالٰے نے حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع آسمانی سے پہلے آپکے پاس وحی بھیجی کہ ہیکل بنت ناموسا بن اخنوع المعروف ادریس نبی سے نکاح کر لو ۔ چنانچہ آپنے ہیکل سے نکاح کر لیا ۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ انسانی آبادی حضرت نوح علیہ السلام کے دور میں ارضِ نوح میں ہی تھی باقی زمین سونی پڑی ہوئی تھی طوفان کے بعد حضرت نوح کی اولاد چین، مصر، روم وغیرھا میں جا جا کر آباد ہوئی تو دنیا ان کی اولاد سے آباد ہو گئی اور کوہ قاف (CAUCASUS) وغیرہ سے بصرہ تک دجلہ و فرات کے دوآبہ کو ارض نوحؑ کہا جاتا

ہے۔ اسی ارض نوح کے اہالیان کی طرف آپکو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔

مورخ یعقوبی خامہ فرسا ہیں۔

۱- ویکون البیت الاسفل للدواب والوحوش والسباع۔	بیت اسفل یعنی نیچے والی منزل گھریلو، پالتو۔ سواری وغیرہ اور رینگنے والے جانوروں اور جنگلی جانوروں اور درندوں کے لیے تھی۔
۲- ویکون الاوسط للطیر	درمیانی منزل پرندوں کے لیے۔
۳- ویکون الاعلی لنوح واہل بیتہ۔ ویجعل فی الاعلی صہاریج الماء وموضعًا للطعام۔	سب سے اوپر والی منزل حضرت نوحؑ اور آپکے اہل خانہ اور آپکے ساتھیوں اور سامان خورد و نوش کے لیے تھی۔
۴- فولد لہ بعد ان اتت علیہا خمسمائۃ سنہ۔	جب آپکی عمر پانچ سو سال ہو چکی تھی تو اس کے بعد آپکے ہاں اولاد ہوئی۔
۵- فاتصل الماء من السماء والارض اربعین یومًا۔ حتی علا فوق کل جبل خمس عشرۃ ذراعًا۔ ثم وقف بعد ان لم تبق بقعۃ من الارض الا غمرہا الماء وعلاہا۔	چالیس دن پانی آسمان سے برستا رہا۔ اور زمین سے اُبلتا رہا۔ یہاں تک کہ ہر پہاڑ پر پندرہ ہاتھ پانی بلند ہو گیا ہمارے ہاتھ سے نہیں بلکہ نوح علیہ السلام کے ۱۵ ہاتھ۔ زمین کا کوئی قطع ایسا نہ تھا جس پر پانی بلند نہ ہوا ہو۔

یعقوبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ کشتی نوح ایک ہفتہ تک بیت اللہ کا طواف کرتی رہی۔ انظر۔ تاریخ الیعقوبی ص ۱۴ ج ۱۔

آگے چل کر علامہ یعقوبی عباسی کاتب نے لکھا ہے کہ۔

ولما استوت علی الجودی بناحیۃ الموصل۔ — جب شہر موصل کے اطراف میں کشتی جبل جودی پر ٹھہر گئی۔

تو اللہ نے آسمان کو حکم دیا کہ تھم جا اور اے زمین اپنا پانی نگل جا۔ پھر آسمان سے پانی برسنا تھم گیا اور زمین نے پانی نگل لیا۔ پانچ مہینے کشتی پانی میں تیرتی رہی اور چار ماہ تک نوح علیہ السلام جودی پر رکنے کے بعد کشتی میں ٹھہرے رہے پھر آپ نے ایک کوے کو پہاڑ کے مضافات میں پانی کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تو وہ جب واپس نہ آیا تو پھر آپ نے ایک کبوتر کو پانی خشک ہونے کی خبر لانے کے لیے بھیجا تو کبوتر اپنے منہ میں زیتون کا پتہ لیکر واپس آگیا جس سے حضرت نوح علیہ السلام سمجھ گئے کہ اب پانی خشک ہو گیا ہے۔

فکان بین دخولہ السفینۃ وخروجہ ، سنۃ کاملۃ وعشرۃ ایام۔ فلما صار الی الارض ھو واھلہ بنوا مدینۃ فسموھا ثمانین یعقوبی ص۱۵ ج۱۔ — ایک سال دس دن کشتی میں رہنے کے بعد آپ اور آپکے متبعین زمین پر اترے تو آپنے ایک شہر تعمیر کر کے لوگوں کو اس میں آباد کیا اور اسکا نام ثمانین رکھا۔

یہاں ایک بات ضمناً اگر عرض کرتا چلوں تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر بتایا ہے لیکن شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ بتوں کا پوجنے والا ابراہیم پیغمبر کا باپ نہیں ہو سکتا۔ آزر انکا باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آزر اگر چچا ہوتا تو قرآن عزیز چچا ہی کہتا کیونکہ عربی ایک وسیع زبان ہے اس میں عم کے علاوہ چچا کے لیے کئی الفاظ موجود ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ لِاَبِیْہِ — اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے اپنے

لِاَبِیْهِ آزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً الخ (الانعام ۷۵) — باپ آزر سے کیا تو مانتا ہے بتوں کو خدا .... الخ

مؤرخ یعقوبی اگرچہ شیعہ ہے لیکن فریقین کے نزدیک اس کی تاریخ معتبر ہے چنانچہ یعقوبی نے لکھا ہے کہ

وکان تارخ، وھو آزر ابو ابراھیم، مع نمرود الجبار — اور ابراہیم کا باپ تارخ ہی آزر تھا جو نمرود کے ساتھ تھا۔

. . . .

وعاش تارخ ابوہ مائتی سنۃ وخمس سنین — اور آپکا باپ تارخ دوسو پانچ سال زندہ رہا۔

تاریخ یعقوبی ص۲۳ ج۱) — یاد رہے کہ سابقہ کتب میں آزر کو ترح اور تارہ اور تارخ کہا گیا ہے۔

کیا طوفانِ نوح عالمگیر تھا یا ارضِ نوح اور قومِ نوح تک ہی محدود تھا!

حضرت نوح علیہ السلام کا شجرہ نسب اوپر دے دیا گیا ہے حساب کر کے دیکھ لیجئے کہ حضرت نوحؑ سے حضرت آدم علیہ السلام تک کل دس پشتیں ہی بنتی ہیں، اتنے عرصہ میں انسانی خاندان کہاں تک پھیل سکتے تھے۔ آثار وقرآن سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے وقت نسل انسانی صرف ارض نوح تک ہی محدود تھی اور ارض نوح کی نشان دہی اوپر کر دی گئی ہے۔ یہ سوال انسانی اذہان وضمائر میں عرصہ سے چلا آرہا ہے کہ غرقابی عام وعالمگیر تھی یا صرف نوحؑ علیہ السلام کے نافرمان لوگوں تک مخصوص تھی؟ علمائے محققین امت کی اکثریت یہی کہتی چلی گئی ہے اور چلی آرہی ہے

کہ غرقابی صرف قوم نوح کے نافرمانوں تک محدود تھی۔ اور ظواہر قرآن وحدیث بھی اسی کی تائید کرتے ہیں ملاحظہ ہو، روح المعانی تفسیر سورہ یونس۔

اگر اس وقت کی ساری دنیا میں آبادی کا ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی نوحؑ کا تعذیبی طوفان ساری دنیا میں نہیں آسکتا کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے کہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ۔	یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر انکی قوم کی طرف بھیجا۔

نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ جب آپکی نبوت کا دائرہ ہی قوم تک محدود تھا تو طوفان بھی اسی محدود علاقہ دقوم کے نافرمانوں تک محدود تھا آپ قومی نبی تھے اور طوفانِ نوح کا عذاب بھی قوم تک محدود تھا۔ نہ آپکی عالمگیر نبوت تھی اور نہ عالمگیر طوفان نے آنا تھا حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید صرف قوم تک محدود تھی اور اس دعوت کے نافرمان بھی اسی قوم تک محدود تھی۔ باقی جن لوگوں تک آپکی دعوت نہیں پہنچی تھی وہ آپکے نافرمان بھی نہ بنے تھے پھر انکو بے گناہی عالم میں بھلا کیوں طوفان نوحؑ کے عذاب میں غرق کیا جاتا؟ قرآن حکیم تو وضاحت وصراحت فرمارہا ہے کہ طوفان نوحؑ کے عذاب کے ہدف۔ وہی سرکش و نافرمان تھے جنہوں نے قدم قدم پر صدیوں تک حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت توحید کی مخالفت کی۔ ہنسی اڑائی۔ اور خدائے واحد کے پیغمبروں کی ہجو کی اور خدائے واحد اور اسکے پیغمبر کی نافرمانی کرنے میں حد کر دی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَ اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ (یونس – ۷۳)	اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں ہم نے غرق کر دیا سو دیکھ کہ جو ڈرائے جاچکے تھے ان کا کیسا انجام ہوا۔

غور فرمایئے کہ قرآن حکیم نے فیصلہ دے دیا ہے کہ قوم نوح کے صرف نافرمان لوگوں کو ہی غرق کیا گیا تھا۔ ساری دنیا میں طوفان نوح کا آنا اور ساری نسل انسانی کو ہلاک کر ڈالنا قرآنِ کریم کا بیان نہیں ہے بلکہ تحریف شدہ بائبل کا ہے۔ فَافہموا اُلْمُنْذَرِیْنَ۔ کا فقرہ اس بات کی تصریح کر رہا ہے کہ طوفان نوح کے عذاب کی ہدف وہی سرکش نافرمان قوم نوح ہی تھی۔

فَانْظُرْ۔ یعنی اے مخاطب دیکھ اور سوچ سمجھ۔ اور دیکھنے سے مراد یہاں آنکھوں سے دیکھنا ہی نہیں بلکہ دل کی آنکھوں، بصیرت سے سبق و عبرت حاصل کرنا ہے۔ عربی کا لفظ نظر، ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت دونوں پر بولا جاتا ہے قرآن میں تدبر و تفحص کے معنی میں نظر کے معنیٰ آنکھ یا بصیرت اور تفکر و تعقل کو جولانی دینے کے ہیں۔ اُنْظُرْ کے اصل معنی غور و فکر کرنے کے ہیں اگرچہ عامتہ الناس کے نزدیک نظر کا لفظ رؤیت بصری کے معنی میں اکثر استعمال ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے مفردات القرآن۔ حرف ن۔

کلام متدارک سرسید خان بہادر حدیث اور معجزات کے ڈھکنے کی جوٹ پر قطعی طور پر منکر تھے اپنی تحریرات کو انھی دو چیزوں کی تردید کے لیے انہوں نے مخصوص کر رکھا تھا پوری چھ جلدوں میں کسی ایک بھی اسلامی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ آ، جا، کے انہوں نے یعقوب باطنی کی کشف الاسرار فی ہتک الاستار کے تین چار حوالے دیئے ہیں انکی تحریرات کا زیادہ تر انحصار بائبل، توریت اور کچھ ملاحدہ کے اقوال پر ہی تھا۔ اس احقر الوری نے انکی یہ تحریرات نمونہ وانتباہ کے طور پر پیش کی ہیں اگر زندگی نے ساتھ دیا اور قارئین وخوانندگان عظام اور علمار فخام نے ضرورت محسوس کی تو پھر سرسید کی قرآن حکیم کی بقیہ تحریفات کا جو کہ بقرار زیر ہیں۔ قرآن وحدیث کی ضوء میں تجزیہ وتنقیح پیش کی جائیں گی۔ سرسید تحریر کر گئے ہیں کہ۔

۱۔ حضرت ابراہیم کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں ہے کہ درحقیقت انکو آگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ تحریر فی اصول تفسیر ص۱۷ ج۱۔

۲۔ آدم۔ کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں ہے۔ جسکو عوام الناس اور مسجد کے مُلّا بادا آدم کہتے ہیں بلکہ اس سے مراد نوع انسانی ہے۔ اسمار کے لفظ کے معنی اکثر مفسرین نے وہ سمجھے ہیں جسکو ہم نام کہتے ہیں۔ جیسے گھوڑا، گدھا۔ ٹٹو۔ یا کلو نتھو۔ بدھو مگر یہ ٹھیک نہیں ہے۔ . . . . پس علّم آدم الاسمار۔ سے یہ مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے نام بتا دیئے تھے جو درحقیقت اس وقت خارج میں موجود بھی نہ تھیں۔ بلکہ جو قوی اس میں پیدا کئے ہیں۔ اور جنکے سبب اسکا ذہن ایک نشان یا دلیل سے دوسری طرف منتقل ہوتا ہے اور نتیجہ پیدا کرتا ہے اسکو اسمار کے لفظ سے بیان کیا ہے ملاحظہ ہو، تفسیر القرآن ص۴۸ ج۱۔ ص۴۹ ج۱۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو پانی پر مارنے سے بحر قلزم

کا پانی پھٹ کر ادھر اُدھر ہو کر دیوار کی طرح جب کھڑا ہو گیا تو درمیان میں خشک راستہ بن گیا اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر اس سے پار ہو گئے آپکو بحر احمر عبور کرتے ہوتے دیکھ کر فرعون بھی اپنے لشکر کو لیکر جب بحر احمر میں کود پڑا تو اللہ نے سمندر کا پانی ملا کر انکو غرق کر دیا اور نمونہ کے طور پر فرعون کی لاش خشکی پر پھینکوا دی اور وہ ابھی تک اھرام مصر میں محفوظ پڑی ہوئی ہے ابھی چند سال ہوتے ہیں کہ اسے کیڑا لگ گیا تھا تو مصر نے اسے فرانس بھیج کر دوبارہ ہنوط کرایا ہے کروڑوں روپے اس پر خرچ ہوئے فرانس نے اسے شاہی اعزاز سے وصول کیا اور شاہانہ اکرام سے وہاں رکھا اور اسے کافرانہ طریقے سے واپس کیا۔ مگر سرسید کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ موسیٰ سمندر کے مدّو جزر، جوار بھاٹا کے دوران اس وقت بحر احمر کی بحر ابیض کی طرف والی شاخ کے انتہائی کنارے سے گزرے تھے جب پانی اترا ہوا تھا

اور فرعون جب لشکر کو لیکر اس میں

داخل ہو گیا تو پانی چڑھ آیا جس میں وہ غرق ہو گیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن ج ۱۔ ص ۶۲ تا ۸۶ لیکن قرآن عظیم سید کی تردید کر رہا ہے اور کرتا آ رہا ہے۔ صرف چند آئتیں ملاحظہ ہوں۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ۔ (البقرہ-۵)

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ۔

پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے عصا کو دریا پر مار چنانچہ وہ دریا پھٹ گیا اور ہر حصہ اتنا بڑا تھا جیسے بڑی پہاڑی۔

(الشعراء ۹ تا ۶۸)

اللہ تعالیٰ عصا کے بغیر بھی سمندر میں خشک راستہ بنا دینے پر قادر تھا لیکن

ا چاند کی کشش سے سمندر کے پانی کا روزانہ اتار چڑھاؤ۔

اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عظمت کا اظہار مقصود تھا۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى۔ (طٰہٰ - ۷۷)	اور ہم نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ پھر ان کے لیے سمندر میں (عصا مار کر) خشک راستہ بنا لینا تم کو نہ پا لیے جانے کا اندیشہ ہوگا اور نہ تمکو اور کوئی خوف ہوگا۔
فَاَسْرِ بِعِبَادِىْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ۔ (الدخان ۲۳ - ۲۴)	آپ میرے بندوں کو بھی رات ہی میں لیکر چلے جاؤ تمہارا تعاقب ہوگا اور تم دریا کو سکون کی حالت میں چھوڑنا۔ ان لوگوں کا لشکر غرق ہو کر رہے گا۔

یعنی سمندر میں آپکے لیے خشک راستہ بنا دیا جائیگا۔ سمندر کے اندر اس خشک راستے کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں کہ فرعون بھی اسی راستے سے آجائیگا۔ ہرگز نہیں۔ اسے مع لشکر کے غرق کر دیا جائیگا۔ ملاحظہ ہو۔ الزخرف ۵۵۔ قصص ۴۰۔ الذاریات ۴۔ اور بھی بہت سی آیتوں میں یہی مذکور ہے۔ سر سید خان بہادر مزید تحریر کرتے ہیں۔ ہم اعلانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جسکو تم معجزہ قرار دیتے ہو اور بفرض محال خدا کی قدرت کے حوالہ پر اسکو تسلیم بھی کریں۔ تو وہ بیفائدہ امر ہوگا۔ الخ تفسیر القرآن ص۱۰ ج ۱)

ہماری سمجھ میں کسی شخص میں معجزے یا کرامات کا یقین کرنا ذات باری کی توحید فی الصفات پر ایمان کو ناقص و نامکمل کر دیتا ہے۔ الی آخرہ۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن ص ۳۴ ج ۱۔ طبع اوّل۔

سید کے ایسے سینکڑوں خرافات ابھی باقی ہیں جن کی تردید تحفظ قرآن کے لیے

لازمی ہے ہر صاحب ایمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن کریم میں کسی بھی قسم کی تحریف وتغیر نہ ہونے دے۔ ازراہِ انکار و تمسخر کے سرسیدؒ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی اعجازی پیدائش کی بھی بیباکانہ تضحیک اڑائی ہے۔ سیدنا عزیر علیہ السلام کے دوبارہ زندہ ہونے کا ازراہِ جحد و انکار جی بھر کر مذاق اڑایا ہے۔

سرسیدؒ کی مثال اس عورت کی سی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا!

ایک عورت نے نبوت کا جب دعویٰ کیا تو علمار کرام اسکے سدِ راہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ سلسلۂ نبوت تو ختم ہو چکا ہے آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس پر اس عورت نے فوراً کہا کہ میں اسکی کب منکر ہوں میرا بھی اس پر ایمان ہے کہ آپکے بعد کوئی مرد نبی نہیں ہو گا چونکہ مرد کے نبی ہونے کی نفی ہے عورت کی نہیں کیونکہ لا نبیۃ بعدی نہیں فرمایا کہ میرے بعد کوئی عورت نبیہ نہیں ہوگی آخر علمار کرام نے خدا کا فرمان پیش کر کے اسے مضحم کر دیا۔ ارشاد ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ...الخ

(الانبیآء — ۷)

اور ہم نے آپسے قبل مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے رہے ہیں۔

یعنی نبوت ہمیشہ مردوں ہی کو ملی ہے نہ کہ عورتوں کو۔

اگر سیدؒ ہوتے تو اتنی تاویل تو ضرور کر کے اس آیت کا انکار کر جاتے کہ عورت بھی تو مردوں ہی سے پیدا ہوتی ہے اور مرد اس سے۔ لہذا عورت کی نبوت کی نفی نہیں ہوسکتی کیونکہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں تو پھر عورت کو مرد سے کیسے الگ کیا جاسکتا ہے؟ سرسید نے ایسی ہی تاویلات کیدہ سے قرآن کریم کی تحریف کی ہے۔

اقتباس مؤید

سہ ماہی فکر ونظر۔ اسلام آباد جولائی دسمبر ۱۹۹۲ء شمارہ ۲ کے سیرت نمبر میں علامہ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی فاضل جامعہ اشرفیہ پی ایچ ڈی۔ اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے فرزند ارجمند۔ کا مقالہ قابل دید ہے آپ ارقام فرماتے ہیں۔

سرسید احمد خان اوران جیسے[1] دوسرے حضرات کو انبیاء کی ذات سے وابستہ بعض[2] واقعات کو تسلیم کرنے میں دشواری اس لیے محسوس ہوئی ہے اور وہ شک اور تذبذب کا شکار اس بناء پر ہوئے اور ہوتے) ہیں کہ وہ ان واقعات کو عقل کی ترازوں میں تولنے لگے ہیں اوران واقعات کو بھی عام انسانوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر قیاس کرتے ہیں اور یہیں سے بنیادی خرابی کا آغاز ہوتا ہے۔ انبیاء کیساتھ پیش آنے والے بعض[3] خلاف عادت واقعات کو معجزہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دوسروں کے لیے اس طرح کا عمل ممکن نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس جیسے عمل کا نبیوں اور رسولوں کی ذات کے علاوہ کسی اور ذات سے صدور ممکن ہوتا ہے۔ معجزہ تو حقیقت میں معرفت نبوت کا ایک ذریعہ ہے اسے عقل کے ترازو میں کیسے تولا جاسکتا ہے۔

---

[1] اس جگہ۔ انکے متبعین رفقاء۔ پڑھنا مناسب ہے۔

[2] اس جگہ۔ بعض کے بجائے اعجازی واقعات پڑھا جائے تو زیادہ مناسب ہے

[3] یہاں بعض کا لفظ زائد ہے۔

نبوت ورسالت کی حدیں تو شروع ہی وہاں سے ہوتی ہیں، جہاں انسانی عقل کی رسائی ختم ہوجاتی ہے اور اسکے حواس اور اک وشعور سے عاجز اور درماندہ ہوجاتے ہیں۔ ص ۲۷۹

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ نبوت ورسالت سے پہلے شق صدر کا واقعہ پیش آیا، محدثین اور اسلاف کا اس بارے میں تو اختلاف ہوا کہ یہ واقعہ کتنی بار پیش آیا۔ لیکن جمہور علماء نے ہمیشہ اسکے وقوع کو تسلیم کیا اسکے منکر نہیں ہوئے اور اسکا ذکر ایک معجزہ کے طور پر کیا گیا۔ لیکن سرسید احمد خان نے شق صدر کا انکار کیا اس انکار کی بنا بھی یہی بنیادی غلطی بنی کہ عقل میں نہیں آیا، عام انسان کے ساتھ پیش آنے والے بہت سے واقعات یا عام انسانوں کی بہت سی تخلیقات بے شمار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں لیکن اسکے باوجود لوگ ان باتوں کو مانتے ہیں حالانکہ انکا تعلق فنی مہارت اور کسب سے ہے۔ بہت سے لوگوں کو اسکی سمجھ بھی ہوتی ہے اور قدرت بھی۔ جبکہ معجزہ صرف ذاتِ نبی کیساتھ مخصوص ہوتا ہے۔

نبی کے علاوہ کسی اور کی ذات سے اسکا وقوع ممکن نہیں ہوتا۔ ص ۲۸۰۔

علامہ صدیقی صاحب مزید خامہ فرسا ہیں کہ۔

مولانا محمد اسماعیل ندوی نے اس ضمن میں ناقدانہ رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے کہ۔ سرسید میں دو بڑی خامیاں تھیں، جس نے ان کے پورے علم کلام اور اسلامی لٹریچر کی دینی وعلمی قدر وقیمت میں بہت کمی پیدا کردی۔ ایک تو اسلامی علوم میں انکی بے بضاعتی اور قلت مطالعہ۔

اور دوسری یہ کہ خود مغربی علوم سے براہ راست ناواقفیت اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد اور بھروسہ۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے مستشرقین کے بالمقابل جو دلیلیں دیں وہ علمی اعتبار سے اتنی پھسپھسی ثابت ہوئیں کہ موجودہ زمانے میں اہل نظر

انہیں دیکھ کر ہنس پڑیں۔ مثلاً تدوین حدیث کے بارے میں یہ لکھنا کہ امام بخاری کے دور تک عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں ہوا تھا۔ لہذا کتابت کا باقاعدہ آغاز دوسری صدی ہجری کے بعد ہوا۔ ص ۸۰ - ۲۸۱ -

---

سرسید کی عقلی و نقلی جامع تردید کے لیے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ سحائب الرحمت والرضوان کا رسالہ ہدیہ سنیہ ملاحظہ فرمائیے۔

★

احقر الوریٰ کی تصانیف

۱۔ قرآنی فلسفہ نظام شمسی ——— دوسری طباعت زیر غور

۲۔ تاریخ و تحقیق اہل بیت ——— ″ ″ ″

۳۔ اسلام کا نظام اخلاق ——— ″ ″ ″

۴۔ اسلامی قانون قصاص و دیات ——— زیر تسوید و تبییض

۵۔ فلسفہ سیرت خاتم الانبیاء ——— زیر کتابت

۶۔ فلسفہ حرمت منشیات ——— زیر غور

۷۔ شہادت حسینؓ و جور یزید ——— زیر غور

۸۔ بہتر فرقوں کے ایمانیات پر ایک نظر ——— ″ ″

۹۔ محرف قرآن۔ سرسید اپنی تحریرات فاسدہ اور عقائد کاسدہ کے آئینہ میں۔ ——— زیر نظر

۱۰۔ فلسفہ غزوات۔ زیر تسوید

ہیچ میرز
سید تصدق بخاری
تجاوز عن سیاتہ البادی
۲۳۔سی۔ وائی بلاک پیپلز کالونی
گوجرانوالہ۔ ۵۲۲۶۰

ایچ۔ وائی۔ پرنٹرز۔ لاہور

احقر الوری کی تصانیف

① قرآنی فلسفہ نظامِ شمسی	طباعت دوم زیرِ غور
② تاریخ و تحقیق اہل بیت	״ ״ ״ ״
③ بہتر فرقوں کے ایمان پر ایک نظر	״ ״ ״ ״
④ اسلامی نظامِ اخلاق	״ ״ ״ ״
⑤ فلسفہ سیرت خاتم الانبیاء	زیرِ کتابت
⑥ فلسفہ غزوات	زیرِ تسوید و ترتیب
⑦ اسلامی قانونِ قصاص و دیات اصل دیت صرف ۱۰۰ اونٹ ہیں۔ بدلِ دیت۔ نقدین میں دیت فرضی اور انقص ہے۔	زیرِ کتابت
⑧ القول القوی فی ذکر الجلی والخفی	دوسری طباعت ختم
⑨ سیرتِ حسینؓ و جورِ یزید	زیرِ تسوید
⑩ محرفِ قرآن۔ سرسید اپنی تحریراتِ فاسدہ اور عقائدِ کاسدہ کے آئینہ میں۔ ۴۵ روپے	

پتہ

۲۳-سی وائی بلاک پیپلز کالونی گوجرانوالہ

فون : ۷۲۱۸۹-۲۷۴۲-۲۲۷۴۲